

قبر پر سورۃ بقرہ اول و آخر کی تلاوت

ایک تحقیقی جائزہ

اسد اللہ خان پشاور

مختص فی السیرۃ الشریفہ علامہ سید محمد رفیع الرحمن کراچی
مدرسہ اہل علم وادب اسلام آباد پشاور

toobaa-elibrary.blogspot.com

مکتبۃ اسلامیۃ العلمیۃ پشاور

اہل علم و ذوق کے لئے خوشخبری

عصر حاضر کے ایک سچے موضوع پر فاضل فوجوان جناب مولانا مفتی احمد رضا صاحب پٹاوری سلف اللہ تعالیٰ کی تازہ تالیف، ”قبر پر سورہ بقرہ اور آخری تلاوت“ ایک حقیقی جانور منظر عام پر آگئی ہے۔ خوبصورت ڈائی وار جلد میں، مصائب سحری کچھڑنگ، شہیدوں، مصائب اور مراجع کے خوابوں اور حقیقات سے مزین۔ تدفین کے بعد قبر کے سر ہانے اور پانچویں سورہ بقرہ کا اول و آخر تلاوت کرنے کے ثبوت، نیز حالیہ نرس، قبر کے پاس اور قبرستان میں تلاوت و غیرہ کے حوالے سے منقول احکام کی روایات کی تحقیق پر مشتمل۔ حدیث بخاری، مسند ابی داؤد، جرح و تعدیل اور اصول حدیث کے گرانقدر مباحث سے مزین اس کتاب میں علمی دنیا کے اسلوب و انداز میں نام نہاد غیر متعارف، بہ خصوصی شیخ الہادی صاحب مرحوم اور دوسرے لوگوں کی پیمائشی ہوئی غلط فہمیوں کا مہارت، حجت اور جمہوریت کے ساتھ ازالہ کیا گیا ہے۔

قابل تھوید علمی، تحقیقی اسلوب و انداز کے علاوہ اصل مسئلہ کے ضمن میں دوسری علمی باتیں بھی آگئی ہیں، جو اہل علم و تحقیق کے لئے تسکین ذوق کا سامان ہیں۔ نئے نئے افکار و کوششوں کی زندگی میں اس کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔

مولانا ساجد احمد صدیقی صاحب

جامعہ اہل علم اسلام آباد
پیشاور صدر کے مدرس مولانا مطلق اسد اللہ
خان نے اس مسئلہ کا تحقیقی جائزہ لیا ہے،
اور اس سلسلہ کی اسٹیٹ کی اسناد کے
ساتھ پوری تحقیق کی ہے، اور مذاہب
اربعہ کے فقہاء کی آراء مسلک بیان
کر دیا ہے... یہ تحقیقی کتاب علماء کے
پڑھنے کی ہے۔ مؤلف مبارک باد کے
مستحق ہے کہ انہوں نے بڑی محنت سے
مسئلہ کا جائزہ لیا ہے۔"

مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب

ذریعہ کتاب اگرچہ مذکورہ
مسئلہ کے انکار کی تردید میں لکھی گئی ہے
لیکن اس میں محض تردید کا انداز نہیں اپنایا
گیا ہے اور نہ خفی انداز میں رد و قدح کی گئی
ہے بلکہ مثبت انداز میں اصل مسئلہ کی
حقیقت پر روشنی کی گئی ہے۔ ضمن میں اصول
حدیث کے بہت سے علمی مباحث بھی اس
کتاب کا حصہ بن گئے ہیں جو علماء اور
حدیث کے متقی طلبہ کے لئے مفید ہیں۔
اللہ تعالیٰ موصوف کی کاوش مقبول فرمائے۔

آمین

مولانا نجیب عثمانی صاحب

”آپ نے اس کتاب میں تخصص
فی الحدیث کا اچھا مظاہرہ کیا ہے۔“

مفتی ذاکر حسن نعمانی صاحب

”ہماری دوست مفتی اسحاق علی صاحب
نوری ناوان نے اس موضوع پر قابل قدر
کام کیا، اور تحقیق کے ضمن میں بعض دیگر
مفید مباحث بھی زیر بحث لائے ہیں....
میری دعا ہے کہ اللہ پاک اس کتاب کو نافع
بنائے اور مؤلف کے لئے ذخیرہ
آخرت۔ یہ کتاب ایک تحقیقی اور علمی بحث
پر مشتمل ہے، جو علماء کرام کے لئے زیادہ
مفید ہے۔“

مفتی سبحان اللہ جان صاحب

مصنف المکرم کا عکس تحریر بر طبع اول

تقدیر
از

اسد اللہ خان پشاور
دولت کتاب
برائے

مہر لکھنؤ

۱۱/۱۲/۱۳۸۶

۱۳/۱۲/۱۳۸۶

اسد اللہ خان

الحديث الأول

١- عن ابن عمر، قال: سمعت النبي ﷺ يقول: إذا مات أحدكم فلا تحبسوه، وأسرعوا به إلى قبره، وليقرأ عند رأسه بفاتحة البقرة، وعند رجله بخاتمتها في قبره.^(١)

الحديث الثاني

٢- عن عبدالرحمن بن العلاء بن اللجلاج، عن أبيه قال: قال لي أبي: يا بني! إذا أنا ميتٌ فألحدني فإذا وضعتني في الحدي فقل: بسم الله وعلى ملة رسول الله، ثم سن علي التراب سناً، ثم اقرأ عند رأسي بفاتحة البقرة وخاتمتها، فإني سمعت رسول الله ﷺ يقول ذلك.^(٢)

الحديث الثالث

٣- عبدالرحمن بن العلاء بن اللجلاج، عن أبيه قال: قال لي أبي: يا بني! إذا أنا مت فضعني في اللحد وقل: بسم الله وعلى سنة رسول

الله، وسن علي التراب سناً، واقرأ عند رأسي بفاتحة البقرة وخاتمتها، فإني سمعت عبدالله بن عمر يقول ذلك.^(١)

(١)

تاريخ يحيى بن معين برواية الدوري ٣٤٦/٢، حديث: ٥٢٣٨، كتاب القراءة عند القبور للخلال ص ٨٧، شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة ٤/١٢٢٧، السنن الكبرى للبيهقي ٥/٤٠٤، تاريخ دمشق لابن عساکر ٥٣/٢٢٧.

(١)

كتاب القراءة عند القبور ص ٨٨، والأمر بالمعروف والنهي عن المنكر ١/٢٩٢. كلاهما للخلال، المعجم الكبير للطبراني ٦/٢٥٥، شعب الإيمان للبيهقي ١١/٤٧١، ٤٧٢.

(٢)

المعجم الكبير للطبراني ٤/١٠٨.

جملہ حقوق بحق مولف محفوظ ہیں

نام کتاب: قہرِ سورہ بقرہ اول و آخر کی تلاوت، ایک تحقیقی جائزہ

مولف: اسد اللہ خان پشاور

کیڈ رنگ: مولف

طباعت اول: ۲۰۱۱م

طباعت دوم: ۲۰۱۵م

ناشر: مکتبۃ الأسد العلمیۃ شیخ آباد ہشاور

قیمت: ۲۰۰

ایمیل ایڈریس: ibnulasadkhan@yahoo.com

فون: ۰۳۳۳۹۱۳۶۲۶۸

لے کے چے

۱- جامعہ اہل العلوم الاسلامیہ مسجد درویش صدر پشاور

۲- جامعہ رحیمیہ، مدینہ مسجد، القادری کالونی پشاور

۳- مکتبۃ الأسد العلمیۃ، مسجد الحسن صدر حق، شیخ آباد پشاور

﴿انتساب﴾

بندہ اس کاوش کو اپنے تخصص فی الحدیث کے استاذ:

حضرت مولانا اکرم محمد عبدالعلیم چشتی نعمانی صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ:

(فاضل دارالعلوم دیوبند، بی ایچ ڈی جامعہ کراچی، نگران استاد تخصص فی الحدیث جامعہ علوم اسلامیہ بنوری جاون کراچی) کی ذات گرامی سے منسوب کرتا ہے۔

لَا تُكْزِرُنَّ إِهْدَانًا لَكَ مُنْطِقًا مِنْكَ اسْتَغْنَيْنَا حُسْنَهُ وَنِقَاطَهُ
فَلَا تُعْزِزْ عَزًّا وَجَلًّا يَشْكُرُ فِعْلُ مَنْ يَسْأَلُوهُ عَلَيْهِ وَحْيَهُ وَكَلَامَهُ
(ابن مطالب)

ب جو آپ سے لکھا ہے، وہ آپ ہی کے نام

اسد اللہ خان

﴿سورة الفاتحة﴾

﴿بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ﴾ ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ ﴿إِنَّكَ تَعْلَمُ الْغُيُوبَ﴾ ﴿إِيَّاكَ نَعْتَصِّلُ وَإِلَيْكَ نُسْجِئُ﴾ ﴿لَا تُهِنَّا وَالِدُ بَطَلٍ تُبْغِيهِ﴾ ﴿لَا تُخْزِنَا وَتَرْجُوهُ عَلَيْنَا﴾ ﴿لَا تُؤْخِذْنَا بِأَلَمٍ بَعْدَ الْبَرِّ بِمَا عَمَلْنَا﴾ ﴿وَكُنْ بِرَبِّكَ أَكْبَرُ﴾ ﴿وَكُنْ لِلْعَالَمِينَ قَدِيرٌ﴾ ﴿وَكُنْ لِلْعَالَمِينَ قَدِيرٌ﴾ ﴿وَكُنْ لِلْعَالَمِينَ قَدِيرٌ﴾

﴿اول سورة البقرة﴾

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ ﴿بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ﴾ ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ ﴿إِنَّكَ تَعْلَمُ الْغُيُوبَ﴾ ﴿إِيَّاكَ نَعْتَصِّلُ وَإِلَيْكَ نُسْجِئُ﴾ ﴿لَا تُهِنَّا وَالِدُ بَطَلٍ تُبْغِيهِ﴾ ﴿لَا تُخْزِنَا وَتَرْجُوهُ عَلَيْنَا﴾ ﴿لَا تُؤْخِذْنَا بِأَلَمٍ بَعْدَ الْبَرِّ بِمَا عَمَلْنَا﴾ ﴿وَكُنْ بِرَبِّكَ أَكْبَرُ﴾ ﴿وَكُنْ لِلْعَالَمِينَ قَدِيرٌ﴾ ﴿وَكُنْ لِلْعَالَمِينَ قَدِيرٌ﴾

﴿آخر سورة البقرة﴾

﴿بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ﴾ ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ ﴿إِنَّكَ تَعْلَمُ الْغُيُوبَ﴾ ﴿إِيَّاكَ نَعْتَصِّلُ وَإِلَيْكَ نُسْجِئُ﴾ ﴿لَا تُهِنَّا وَالِدُ بَطَلٍ تُبْغِيهِ﴾ ﴿لَا تُخْزِنَا وَتَرْجُوهُ عَلَيْنَا﴾ ﴿لَا تُؤْخِذْنَا بِأَلَمٍ بَعْدَ الْبَرِّ بِمَا عَمَلْنَا﴾ ﴿وَكُنْ بِرَبِّكَ أَكْبَرُ﴾ ﴿وَكُنْ لِلْعَالَمِينَ قَدِيرٌ﴾ ﴿وَكُنْ لِلْعَالَمِينَ قَدِيرٌ﴾

تقریر قرآن پڑھنے کے جو از پر علامہ عبداللہ غامدی کے چند اشعار:

اقرا علی المونی کلام السنہا ودع الخسومة فی وصول نسوایہ
وإذا شئت عن الدلیل فافصح بحواب طالبہ وحسن خطایہ
یصل الدعاء کذا الصیام تفضلاً من ربنا فکذلک حکم کتابہ
لافرق بین عبادۃ وعبادۃ ومن ادعی التفریق لبس یتایہ
وحدیث لتجلاج یؤید قولنا وبعیض عن خطایہ بوجہ صوابہ
وإذا أتاک معاند بلجاجة فاضم أذنک عن سماع سبابہ
لانفتح باب الجدال فإنه یفضی بصاحبه لئو عقیایہ^(۱)

(۱) توضیح بیان اصول ثواب القرآن، اتفاق الصنعة فی معنی البدة، تألیف العلامة عبداللہ غامدی، ص ۹۹، طبع عالم الکتب بیروت، ۱۴۲۷ھ

فہرست مضامین

- ۴۱..... مقدمہ و تقریر، مفتی سبحان اللہ جان صاحب
- ۴۵..... پیش لفظ طبع دوم
- ۴۳..... پیش لفظ طبع اول
- پہلی حدیث: حدیث الجلائلؑ
- ۴۶..... (۱) روایت امام یحییٰ بن معینؒ
- ۴۷..... (الف) طریق امام عباس دورقؒ
- ۴۸..... (ب) طریق امام غلاتؒ
- ۴۹..... حدیث سے متعلق امام احمد اور علامہ ابن قدامہؒ کا ایک واقعہ
- ۴۰..... امام غلاتؒ کی کتاب "الامر بالمعروف" کا حوالہ
- ۴۱..... علامہ ابن القیمؒ کا حوالہ
- ۴۱..... علامہ عبد اللہ غازیؒ کا حوالہ
- ۴۲..... علامہ عبد الفتاح ابو نعیمہؒ کا حوالہ
- ۴۳..... علامہ محمد عوامہؒ کا حوالہ
- ۴۴..... (ج) طریق امام لاکانیؒ
- ۴۵..... (د) طریق امام بیہقیؒ

- ۴۵..... علامہ نوویؒ کا حوالہ
- ۴۶..... علامہ ابن عثمانؒ کا حوالہ
- ۴۷..... علامہ ابن الجوزیؒ کا حوالہ
- ۴۷..... ماضی قارئیؒ کا حوالہ
- ۴۸..... علامہ شوکانیؒ کا حوالہ
- ۵۰..... نواب صدیق حسن خانؒ کا حوالہ
- ۵۰..... علامہ عبد اللہ غازیؒ کا حوالہ
- ۵۱..... علامہ ظفر احمد عثمانیؒ کا حوالہ
- ۵۱..... (۲) روایت امام طبرانیؒ
- ۵۲..... علامہ یحییٰؒ کا حوالہ
- ۵۲..... علامہ زبلیؒ کا حوالہ
- ۵۲..... علامہ ابن حجرؒ کا حوالہ
- ۵۳..... علامہ صالحی شامیؒ کا حوالہ
- ۵۳..... علامہ شوکانیؒ کا حوالہ
- ۵۳..... علامہ نیوویؒ کا حوالہ
- ۵۳..... علامہ ظفر احمد عثمانیؒ کا حوالہ

- علامہ عبد اللہ غباری کا حوالہ ۵۴
- علامہ عبید اللہ مبارکپوری کا حوالہ ۵۴
- علامہ وہبی سلیمان غازی کا حوالہ ۵۵
- (۳) روایت امام ابن عساکر ۵۶
- مولانا محمد یوسف کاندلوی کا حوالہ ۵۶

- حدیث کجلاچ کے بارے میں چند اہم نکات ۵۸
- (۱) حدیث کجلاچ مرفوع ہے یا موقوف؟ ۵۸
- علامہ عبد اللہ غباری کی توجیہ ۵۸
- دوسری تطبیق ۶۰
- (۲) حدیث کجلاچ کا استادی حکم ۶۱
- (۱) حالات مبشرین اسماعیل علیہ السلام ۶۱
- (۲) حالات عبد الرحمن بن العلاء بن کجلاچ ۶۲
- عبد الرحمن بن العلاء بن کجلاچ اور امام یحییٰ بن معین ۶۲
- عبد الرحمن بن العلاء بن کجلاچ اور امام احمد بن حنبل ۶۳
- عبد الرحمن بن العلاء بن کجلاچ اور امام بخاری ۶۳

- عبد الرحمن بن العلاء بن کجلاچ اور امام ابو زرہ رازی ۶۳
- عبد الرحمن بن العلاء بن کجلاچ اور امام ابو حاتم رازی ۶۳
- عبد الرحمن بن العلاء بن کجلاچ اور امام ترمذی ۶۳
- عبد الرحمن بن العلاء بن کجلاچ اور علامہ مبارکپوری ۶۵
- عبد الرحمن بن العلاء بن کجلاچ اور علامہ مندری ۶۶

- راوی کے بارے میں ائمہ جرح و تعدیل کا سکوت توثیق ہے یا نہیں؟ ۶۷
- علامہ عبد الفتاح ابو نعہ کی تحقیق ۶۷
- علامہ عبد الفتاح ابو نعہ کی تحقیق کی تائید معاصر اہل فن سے ۶۸

- عبد الرحمن بن العلاء بن کجلاچ اور علامہ ابن حبان ۶۹
- علامہ ابن حبان کی ایک خاص اصطلاح اور اس کی تشریح ۶۹
- علامہ عراقی کی تشریح ۷۰
- علامہ ابن حبان کے بارے میں ایک غیر مصطفیٰ روایت ۷۳
- علامہ حطاوی اور علامہ ابن حبان کی توثیق ۷۵
- علامہ محمد عوامہ اور علامہ ابن حبان کی توثیق ۷۶

عبدالرحمن بن العطاء بن الجلاح اور علامہ ذہبی..... ۷۷

.....

عبدالرحمن بن العطاء بن الجلاح اور علامہ ابن حجر عسقلانی..... ۷۹

حافظ ابن حجر مکی اصطلاح "مقبول" کی تشریح..... ۸۰

.....

عبدالرحمن بن العطاء بن الجلاح اور علامہ البانی..... ۸۳

.....

عبدالرحمن بن العطاء بن الجلاح اور علامہ ابن شالین..... ۸۶

.....

عبدالرحمن بن العطاء بن الجلاح سے روایت کرنے والا کیا ایک ہے؟..... ۸۹

(۳) حالات علامہ بن الجلاح..... ۹۱

(۴) حالات حضرت الجلاح رضی اللہ عنہ..... ۹۱

دوسری حدیث: حدیث عبداللہ بن عمرؓ

دوسری حدیث: حدیث عبداللہ بن عمرؓ..... ۹۶

(۱) روایت امام غزالی..... ۹۶

(۲) روایت امام طبرانی..... ۹۷

علامہ ذہبی کا حوالہ..... ۹۸

علامہ ابن حجر کا حوالہ..... ۹۸

(۳) روایت امام بیہقی..... ۹۸

صاحب مشکوٰۃ علامہ ترمذی کا حوالہ..... ۹۹

کیا حدیث ابن عمر موقوف ہے؟ صاحب مشکوٰۃ کے تدریج پر تجزیہ..... ۹۹

مولانا گوہر الرحمن کا حوالہ..... ۱۰۲

مولانا فیصل ندوی کا حوالہ..... ۱۰۲

علامہ سیوطی کا حوالہ..... ۱۰۳

حدیث ابن عمرؓ کے راویوں کے حالات..... ۱۰۳

(۱) حالات ابو شیبہ حرائی..... ۱۰۳

(۲) حالات یحییٰ بن عبداللہ بانی..... ۱۰۳

(۳) حالات ابویب بن نہیک..... ۱۰۵

(۴) حالات عطاء بن ابی رباح..... ۱۰۵

حدیث ابن عمرؓ کا استادی حکم..... ۱۰۵

قبرستان میں مطلق تلاوت قرآن کے جواز کی احادیث

(۱) پہلی حدیث: مردے کے پاس سورۃ یس کی تلاوت کرنا..... ۱۰۷

حدیث کا اسنادی حکم..... ۱۰۷

حدیث کی تشریح علامہ ابن حبان سے..... ۱۱۳

علامہ طبرانی اور حافظ ابن حجر سے..... ۱۱۳

علامہ صنعانی سے..... ۱۱۳

(۲) دوسری حدیث: قبرستان میں سورۃ یس پڑھنا..... ۱۱۳

حدیث کا اسنادی حکم..... ۱۱۵

(۳) تیسری حدیث: والدین کی قبر کے پاس سورۃ یس پڑھنا..... ۱۱۷

حدیث کا اسنادی حکم..... ۱۱۷

(۴) چوتھی حدیث: قبرستان میں گیارہ مرتبہ سورۃ اخلاص پڑھنا..... ۱۲۰

حدیث کا اسنادی حکم..... ۱۲۰

(۵) پانچویں حدیث: قبرستان میں سورۃ فاتحہ، سورۃ اخلاص اور سورۃ نکاح

پڑھنا..... ۱۲۲

حدیث کا اسنادی حکم..... ۱۲۳

(۶) چھٹی حدیث: انصار صحابہ کرام قبر کے پاس سورۃ بقرہ پڑھتے تھے..... ۱۲۳

حدیث کی تشریح اور اسنادی حکم..... ۱۰۳

(۸) ساتویں آٹھویں حدیث:..... ۱۲۶

تین ذیلیوں پر سورۃ اخلاص یا سورۃ قدر پڑھ کر میت کے سر پانے رکھنا..... ۱۲۶

امداد الاحکام سے تخریج..... ۱۲۷

(۹) نویں حدیث: ﴿وَمَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُبَيِّدُكُمْ وَفِيهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ﴾

پڑھنا..... ۱۲۹

حدیث کا اسنادی حکم..... ۱۲۹

قبرستان میں قرآن پڑھنے کی ممانعت کی حدیث..... ۱۳۱

استدلال اور اس کا جواب..... ۱۳۳

مذہب اربیعہ

﴿فتنہ خنثی کی روشنی میں﴾..... ۱۳۶

قبر کے پاس قرآن کی تلاوت اور امام ابو حنیفہ اور صاحبین..... ۱۳۶

علامہ طاہر بن رشید کا حوالہ..... ۱۳۶

- علامہ ابن تیمیہ کا حوالہ..... ۱۳۶
- علامہ ابن ابی العز شافعی کا حوالہ..... ۱۳۸
- علامہ طبری کا حوالہ..... ۱۳۹
- علامہ قرطبی کا حوالہ..... ۱۴۰
- احناف کا مطلق یہ مسلک..... ۱۴۰
- علامہ کاسانی..... ۱۴۱
- علامہ قاضی خاں..... ۱۴۱
- علامہ ابن ہمام..... ۱۴۲
- علامہ ابن قیم..... ۱۴۲
- علامہ طاعلی قاری..... ۱۴۳
- علامہ شرنبلالی..... ۱۴۵
- مولانا عزاز علی کا حوالہ..... ۱۴۵
- علامہ شافعی..... ۱۴۷

...

- مذہب مالکی کی روشنی میں..... ۱۵۱
- امام مالک کا مذہب..... ۱۵۱

- مناخرین مالکیہ کا مطلق یہ مسلک..... ۱۵۱
- علامہ عبدالحق شیبلی مالکی کا ایک حوالہ..... ۱۵۳
- علامہ محمود سعید ممدوح نے مالکیہ کا مسلک جو از کا نکھایا ہے..... ۱۵۳

...

﴿مذہب شافعی کی روشنی میں﴾..... ۱۵۴

- مذہب امام شافعی (پاسد)..... ۱۵۴
- سنہ کے راویوں کے حالات..... ۱۵۴
- حالات روح بن الفرخ..... ۱۵۴
- حالات حسن بن صہباز عفراتی..... ۱۵۵
- علامہ نوویؒ کی تصریح..... ۱۵۷
- علامہ سیوطیؒ کی تصریح..... ۱۵۸
- مذہب امام شافعی اور علامہ ابیانی..... ۱۶۰
- علامہ ابیانی کی عبارت میں قابل غور پہلو..... ۱۶۱
- خطیب بغدادی شافعیؒ کی قبر پر قسم قرآن..... ۱۶۳
- ابو جعفر حاشی کی قبر پر قرآن کے قسم کیے گئے..... ۱۶۳
- شیخ ابو منصور کی قبر پر قرآن کے قسم کیے گئے..... ۱۶۳

علامہ شبلی شافعیؒ کا حوالہ..... ۱۶۳

حافظ ابن حجرؒ کی کتاب "المناہج" کا حوالہ اور ایک غلطی پر حبیہ..... ۱۶۳

﴿مذہب حنبلی کی روشنی میں﴾..... ۱۷۰

مذہب امام احمد بن حنبلؒ..... ۱۷۰

علامہ ابابائیؒ کی رائے اور اس کا جواب..... ۱۷۱

امام احمدؒ کے رجوع کے قصے کی اسنادی تحقیق..... ۱۷۲

پہلی سند کے راویوں کے حالات..... ۱۷۳

حالات حسن بن احمد وراثی..... ۱۷۳

حالات علی بن موسیٰ حدادؒ..... ۱۷۴

دوسری سند کے راویوں کے حالات..... ۱۷۵

حالات ابو بکر بن صدقہؒ..... ۱۷۵

حالات عثمان بن احمد موسلیؒ..... ۱۷۶

حنبلیہ کا مفتی پر مسلک..... ۱۷۷

ابن قدامہؒ کا حوالہ..... ۱۷۷

امام احمدؒ کے رجوع کے دیگر اقوال..... ۱۷۸

دوسرا قول..... ۱۷۸

تیسرا قول..... ۱۷۹

چوتھا قول..... ۱۷۹

علامہ ابن تیمیہؒ اور مذہب امام احمد بن حنبلؒ..... ۱۸۰

علامہ ابن تیمیہؒ کی مہارت کا تجزیہ..... ۱۸۳

امام غلال اور مذہب امام احمد بن حنبلؒ..... ۱۸۶

اکابر علماء دیوبند کی آراء و فتاویٰ

(۱) مفتی رشید احمد گنگوہیؒ..... ۱۹۰

(۲) حکیم الامت مولانا شرف علی تھانویؒ..... ۱۹۱

(۳) مفتی کفایت اللہؒ..... ۱۹۳

(۴) مفتی عزیز الرحمنؒ..... ۱۹۵

(۵) مفتی محمود حسن گنگوہیؒ..... ۱۹۶

(۶) مفتی رشید احمد لدھیانویؒ..... ۱۹۶

(۷) مولانا سرفراز خان صمدیؒ..... ۱۹۶

(۸) مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی..... ۱۹۸

مقدمہ و تقریظ

مفتی سبحان اللہ جان صاحب دام اقبالہ ^(۱)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دنیا میں انسان کا واسطہ دو متضاد کیفیتوں کے ساتھ رہتا ہے، مثلاً کبھی وہ صحت مند ہے تو کبھی بیمار، کبھی خوش ہے تو کبھی غمگین، کبھی مالدار ہے تو کبھی غریب، جو بھی کیفیت ہو اس میں انسان ایک آزمائش سے گزر رہا ہے کہ ان مختلف حالات میں وہ کیا عمل اختیار کر رہا ہے۔ صحت، خوشی اور مال پر شکر ادا کر رہا ہے یا ناشکری اور بیماری، پریشانی و غربت میں صبر کر رہا ہے یا جزع و فرح۔

پھر انسان کی زندگی کے ہر لمحے کے لئے شریعت کے احکام موجود ہیں، اگر خوشی کا موقع ہے اس کے لئے بھی طریقہ بتایا گیا ہے اور اگر غم و پریشانی کی حالت ہے تو بھی شریعت نے رہنمائی کی ہے۔

پھر انسان جس معاشرے اور ماحول میں رہتا ہے، اس معاشرے اور ماحول کے اثرات سے بمشکل بچا رہا ہے، اس کی فنی و خوشی میں رسم و رواج اپنا حصہ ڈالتا ہے۔

پھر اگر رسم و رواج شریعت کے کسی حکم کے خلاف نہ ہو تو اس میں کوئی قباحت نہیں، جیسے کہ عام طور پر خوشی کے موقعوں پر دیکھنے میں آتا ہے، کیونکہ خوشی کے موقع

(۱) فاضل جامعہ علوم عالیہ کراچی، محققین مفتی الاسلامی جامعہ یاسین القرآن کراچی، رئیس دارالافتاء جامعہ اہل العلوم الاسلامیہ صدر پشاور، کالم نگار روزنامہ شرق (بعد اذین) کالم آپ کے مسائل کا حل

نابالغ بچوں کی قبر پر سورت بقرہ اول و آخر پڑھنے کا حکم..... ۱۹۹

سورت بقرہ کا اول و آخر جہر سے پڑھا جائے یا آپست سے؟..... ۲۰۱

حدیث ابن عمر میں ایک تعارض کا حل..... ۲۰۳

﴿غلامہ بحث﴾..... ۲۰۴

حدیثی روایات..... ۲۰۴

قبرستان میں مطلق عداوت قرآن کے جواز کی احادیث..... ۲۱۰

مذہب اربعہ..... ۲۱۶

اکابر علماء و فیہد کی آراء و فتاویٰ کا خلاصہ..... ۲۱۹

﴿فہرست مراجع﴾..... ۲۲۱

ہر جو کام کئے جاتے ہیں، اسے دین کا حصہ نہیں سمجھا جاتا، اور اجر و ثواب کی نیت نہیں ہوتی، اس لئے ان باتوں میں اگر خلاف شرع کام ہو، تو اس کو ناجائز کہیں گے۔ جیسے بے پردگی، موسیقی کی محفلیں، بیہودہ نصاریٰ کے طریقے وغیرہ۔ اور اگر خلاف شرع نہ ہو تو اجازت ہوگی جیسے شب زفاف سے قبل کھانا کھانا، لڑکی والوں کی طرف سے دعوت طعام وغیرہ۔ البتہ ان خلاف شرع کاموں کو بدعت کے زمرے میں شمار نہیں کر سکتے۔

لیکن غمی کے موقعوں پر جو کام کئے جاتے ہیں، چاہے وہ رسم و رواج کے طور پر ہو، وہ بدعت شمار ہوں گے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ غم کے موقع پر اکثر افعال وہ کئے جاتے ہیں جس میں ہمسامہ گانہ اور ثواب کی امید رکھتے ہیں، اور کوشش ہوتی ہے کہ ایسا عمل کیا جائے جس سے مردہ کو زیادہ سے زیادہ نفع پہنچے۔

لہذا غمی کے موقع پر جو رسم و رواج کہتے جاتے ہیں وہ بدعت کہلا سکتے ہیں، اس لئے کہ اس میں لوگ ثواب کی امید رکھتے ہیں۔ اور اصطلاح شرع میں ہر ایسے نواہیات طریقہ کماہد کو بدعت کہتے ہیں، جو ثواب کی نیت سے رسول ﷺ اور خلفائے راشدین کے بعد اختیار کیا گیا ہو، اور آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام کے عہد مبارک میں اس کا داعیہ اور سبب ہونے کے باوجود نہ قولاً نہ ثابت نہ فعلاً نہ تقریراً نہ صراحتاً اور نہ اشارتاً۔

چنانچہ آج کل غم کے موقع پر لوگ بے شمار بدعت کا ارتکاب کرتے ہیں، مثلاً میت کو سرمہ لگانا، سنگھسی کرنا، نماز جنازہ تیار ہونے پر پہلے اور بعد اجتماعی دعا کو لازم سمجھنا، جنازہ یا قبر پر پھولوں کی چادر ڈالنا، جنازہ لے جاتے وقت کلمہ شہادت کی آواز لگانا، قبر کو پختہ بنانا، قبر پر چراغ جلاتا، مردے کے ساتھ طوطہ اور روئیاں قبرستان لے جانا اور وہاں تقسیم کرنا، مگر نماز جنازہ پڑھنا، مردے کو دو دو دفعہ غسل دینا، بلند آواز سے جنازہ پڑھنا وغیرہ۔

اس لئے علماء کرام کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کی صحیح رہنمائی کریں اور ان کو بدعات سے منع کریں۔

البتہ جو عمل رسول اللہ ﷺ یا صحابہ کرام سے ثابت ہو وہ بدعت نہیں، لہذا اس کام کے کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں، جیسے دفن کے بعد میت کے سرہانے سورۃ بقرہ کی ابتدائی آیات "وَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ الْحَقِّ" تک اور پانچویں کی طرف سورۃ بقرہ کی آخری آیات "لَا تَمْنُنْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا" سے ختم سورۃ تک پڑھنا، دفن کے بعد دعا کرنا وغیرہ۔ کہ یہ پڑھنا مستحب ہے اور احادیث سے ثابت ہے۔

لیکن آج کل بعض لوگ "جن کا مقصد قند پھیلانا ہے" ایسے موقع پر خواہ مخواہ فساد شروع کر دیتے ہیں کہ یہ عمل خلاف سنت ہے، اور احادیث سے ثابت نہیں، اور قبرستان ہی میں بحث شروع ہو جاتی ہے، بے چارے عوام بھی پریشان ہو جاتے ہیں کہ کیا کریں؟

دفن کے بعد میت کے سرہانے اور پانچویں کی طرف سورۃ بقرہ کا اول و آخر پڑھنے کا طریقہ اہل سنت والجماعت میں چلا آرہا ہے، اور استحباب کی حد تک اس پر عمل بھی کرتے ہیں، لیکن اس موضوع پر تحقیق کام نہیں ہوا تھا، کہ جن احادیث سے یہ عمل ثابت ہے، ان کی اسنادی حیثیت کیا ہے؟ کہاں کہاں یہ روایت موجود ہے، محدثین نے کس حد تک اس کو قبول کیا ہے، اور امت کے فقہاء نے کس نظر سے اس کو لیا ہے۔

چنانچہ ہمارے دوست مفتی احمد اللہ خان صاحب مدظلہ العالی نے اس موضوع پر قاضی قدر کام کیا، اور تحقیق کے حصن میں بعض دیگر مفید مباحث بھی زیر بحث لائے ہیں، اور ایسے لوگوں کی دہل بھی واضح کی ہے، جو مطلب برآری کے لیے اکابرین کے کام میں قطع زبید اور اکھاڑ بچاؤ کے ماہر ہیں۔

میری دعا ہے کہ اللہ پاک اس کتاب کو نافع بنائے اور موکلف کے لیے ذخیرہ آخرت۔

نوٹ: یہ کتاب ایک تحقیقی اور علمی بحث پر مشتمل ہے، جو علماء کرام کے لئے زیادہ مفید ہے، میت سے متعلق شرعی احکام و مسائل سیکھنے اور مطالعہ کے لئے ڈاکٹر عبدالحی عارفی طیفہ مجاز حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کی کتاب ”احکام میت“^(۱) نہایت مؤثر ہے۔

بندہ سبحان اللہ جان

دارالافتاء جامعہ امداد العلوم الاسلامیہ

درویش مسجد پشاور صدر

۷۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ / یکم مئی ۲۰۱۱ء

دیباچہ طبع دوم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بروز جمعہ ۲۷ مئی ۲۰۱۱ء کو یہ کتاب پہلی مرتبہ چھپ کر آئی، تو بہت خوشی تھی، میری پہلی باقاعدہ کتاب چھپ گئی۔ کتاب چھپنے سے پہلے بہت احباب انتظار میں تھے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ طلباء و اہل علم کی بڑی تعداد نے اسے پسند کیا، اس بارے میں مجھے بہت احباب نے فون کیا، بعض نے خط لکھے، بعض نے کتاب کے حصول کے لئے خود سفر کیا۔ جس طرح اس مسئلہ نے مجھے کھنسنے پر مجبور کیا تھا، اہل علم کو دیکھا کہ انہوں نے بھی اس بارے میں تحقیق کا ارادہ کیا تھا، اور اس مسئلہ نے ان کو پریشان کیا تھا، کیونکہ ہر شخص کو قبرستان سے اور قبرستان میں اس مسئلہ سے ضرور واسطہ پڑتا ہے۔

کتاب میں بعض غلطیاں تھیں، لیکن بہت کم، اس طباعت میں ان کو دور کیا گیا، نیز چونکہ کتاب میں عربی عبارت زیادہ ہیں، اس لئے موجود طباعت (ان پیج) کے بجائے (ورڈ) میں کی ہے، جو قارئین کو زیادہ خوبصورت لگے گی۔ نیز اس طباعت میں مزید حوالہ جات کا بھی اضافہ کیا ہے۔ جنہیں اپنی جگہوں پر نقل کیا گیا ہے۔

مجھے علامہ قاسم بن قطلوبغا کی کتاب ”کتاب من روی عن أبيه عن جده“ کا شدت سے انتظار تھا، جو اب الحمد للہ مل گئی، متعلق عبارت یہاں درج کی جاتی ہے۔

«عبدالرحمن بن العلاء بن اللجلاج، عن أبيه، عن جده، قال: أسلمت مع رسول الله ﷺ، وأنا ابن خسين سنة. قال: ومات اللجلاج

(۱) ”احکام میت“ پہلے کی دفعہ بھی تھی، اب یہ نئی تحقیق کے ساتھ دارالافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی سے بھیجی ہے۔ اسد اللہ خان

وهو ابن عشرين ومئة سنة، قال: ما ملأت بطني من طعام منذ أسلمت مع رسول الله ﷺ أكل حسي وأشرب حسي.

رواه أبو العباس السراج في «تاريخه»، والحافظ يحيى بن عبد الوهاب ابن منده في «جزء» من روى هو وأبوه وجده، مر طريقه. قال السراج: «كتب عني محمد بن إسماعيل - يعني هذا الحديث -، وأدخله في «التاريخ».

وعبدالرحمن هذا شامي انفرد به الترمذي وذكره ابن حبان في «الثقات»، وأورده في «الميزان» لتفرد مبشر بن إسماعيل الحلبي عنه، وأبوه تابعي انفرد به أيضا الترمذي، وحدث أيضا عن ابن عمر، وعنه أيضا حفص بن عمر بن ثابت الحلبي، وثقه أحمد العجلي وغيره، وجده اللجلاج هو العامري من بني عامر بن صعصعة، وهو مولى بني زهرة صحابي، نزل دمشق ومات بها، له أحاديث أخرج له أبو داود والترمذي والنسائي وأحمد. حدث عنه أيضا ابنه خالد وأبو الورد بن ثمامة القشيري وغيرهما.

فائدة: ليس في الصحابة اللجلاج غيره، واللجلاج بن حكيم ليس أخو الجحاف يعد من أهل الجزيرة، له رواية أيضا أخرج له أحمد وأصل به في الذيل فيحرره.^(۱)

(۱) كتاب من روى عن أبيه عن جده ۴۱۴-۴۱۵، تحقيق باسم فيصل الجوابرة، مكتبة الملائكة الكويت.

بہائمہ العصر جامعہ عثمانیہ پشاور کا تحیرہ:

کتاب پر بہائمہ العصر میں مولانا یحییٰ عثمانی صاحب تحیرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”دین کا کوئی بھی مسئلہ ہو اعتدال اس کی روح ہے اور اس میں افراط و تفریط کی راہ اختیار کرنا دین کی اصل شکل کو مسخ کر دیتا ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ شریعت محمدی کے ہر مسئلے اور حکم کو اس کے اصل مقام پر رکھا جائے نہ تو اس میں علو اور حد سے تجاوز کیا جائے اور نہ ہی اس میں کسی قسم کی کمی اور کوتاہی کا نظریہ اختیار کیا جائے۔ قمر پر سورۃ بقرہ اول و آخر کی تلاوت، ایک مستحب عمل ہے اور اسی امت میں یہ عمل شروع سے متواتر چلا آ رہا ہے، لیکن اب کچھ لوگ اس کا سرے سے انکار کر رہے ہیں، اگرچہ ان کے نظریے نے ابھی تک جوڑ نہیں پکڑا اور نہ اب وہ اتنا مضبوط ہوا ہے، لیکن ضروری تھا کہ اس نظریہ کی تردید کی جائے اور ثبت انداز میں اصل مسئلہ کا ثبوت اصول دین کی روشنی میں واضح کیا جائے۔

زیر تحیرہ کتاب اسی مقصد کے لئے لکھی گئی ہے، اور اس میں مذکورہ مسئلے کو احادیث، مذاہب اربعہ اور انکار دہندگان کے فتاویٰ حیات سے مدلل ثابت کیا گیا ہے۔ لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ اعتدال دین کے ہر مسئلے کی روح ہے اور یہ بھی دین ہی کا ایک مسئلہ ہے، لہذا افراط و تفریط سے بچنا چاہیے اور کسی بھی وقت اعتدال کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہیے۔ قمر پر سورۃ بقرہ اول و آخر کی تلاوت ابھی ایک مستحب عمل ہے اور

جائز ہے اس کے ثبوت سے انکار تو درست نہیں لیکن اگر کوئی نہ کرے تو اس پر تکبیر نہیں کرنی چاہیے تاکہ لزوم کے درجے میں نہ چلا جائے۔

زیر تبصرہ کتاب اگرچہ مذکورہ مسئلہ کے انکار کی تردید میں لکھی گئی ہے لیکن اس میں محض تردید کا انداز نہیں اپنایا گیا ہے اور نہ مفتی انداز میں رد و قدح کی گئی ہے بلکہ مثبت انداز میں اصل مسئلے کی حقیقت پیش کی گئی ہے۔ ضمن میں اصول حدیث کے بہت سے علمی مباحث بھی اس کتاب کا حصہ بن گئے ہیں جو علماء اور محدث کے شیعہ طلبہ کے لئے مفید ہیں۔ اللہ تعالیٰ موصوف کی کاوش مقبول فرمائے۔ آمین^(۱)

....

ماہنامہ القاسم نوشہرہ کا تبصرہ:

کتاب پر ماہنامہ القاسم میں مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب مدظلہ تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

جامعہ اہل العلوم الاسلامیہ پشاور صدر کے مدرس مولانا مفتی اسد اللہ خان نے اس مسئلہ کا تحقیقی جائزہ لیا ہے، اور اس سلسلہ کی احادیث کی اسناد کے ساتھ چوری تحقیق کی ہے، اور مذہب اربعہ کے فقہائے کرام کی آراء و مسلک بیان کر دیا ہے۔ مسئلہ چونکہ علمی اور فقہی ہے، اس لئے اس عمل کے مخالف فقہائے کرام کا نقطہ نظر بھی بیان کیا جاتا تو اس تحقیقی جائزہ کا پورا پورا حق بھی ادا ہو جاتا اور صورت موجود سے زیادہ مفید ہوتا۔

(۱) "ماہنامہ العصر" جامعہ عثمانیہ پشاور، جلد ۱۶، شمارہ ۱۰، اکتوبر ۲۰۱۱ء، زینتہ ۱۳۳۴ھ ص ۵۶

یہ تحقیقی کتاب علماء کے پڑھنے کی ہے۔ مولف مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے بڑی محنت سے مسئلہ کا جائزہ لیا ہے۔^(۱)

....

مفتی محمد زاہد صاحب دامت برکاتہم (فیصل آباد) سے خط و کتابت

کتاب کے ایک مسئلہ سے متعلق مفتی محمد زاہد صاحب دامت برکاتہم (فیصل آباد) سے خط و کتابت ہوئی تھی جو قلمند کے لئے درج کیا جاتا ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترم جناب مولانا مفتی محمد زاہد صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ آج تباہ خبر و عافیت سے ہوں گے، اللہ تعالیٰ آپ کو خیر و عافیت سے دیکھے، آمین۔

آج میرے لئے سعادت کی بات ہے کہ آپ کو خط لکھ رہا ہوں، جو بڑے عرصہ سے چاہ رہا تھا۔ مدرسہ عربیہ رائے ونڈ لاہور میں تعلیم کے دوران امتحان کے موقع پر آپ کے والد ماجد محترم مولانا خیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کی تھی، اور "مکتوبہ" کے سال

(۱) ماہنامہ القاسم نوشہرہ نمبر یکشنبہ ۱۰، شمارہ ۱۰، ۲۰۱۱ء، زینتہ ۱۳۳۴ھ ص ۵۷۔

میں ان کی "مکتوہ" کی شرح "اشرف التوحیح" سے بہت استفادہ کیا تھا، جسے آپ نے مکمل کر کے چار چاند لگا دیئے۔

تصویر کے مسئلہ پر ایک اجلاس میں جو دارالعلوم کراچی میں منعقد ہوا تھا، مجھے آپ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا تھا، اس کے بعد آپ کی تقریباً تمام تحریرات بڑے شوق سے پڑھے ہیں، جو اکثر "ماہنامہ الشریعہ" میں چھپتے ہیں، "خدمت مصابر" پر عربی میں چھپا ہوا آپ کا مقالہ بخوری ٹائون کے مکتبہ سے اپنے لئے فوٹو اسٹیٹ کروایا تھا، جو بہت عمدہ مقالہ ہے۔

اور اب جو آپ نے "معارف السنن" کے محکمہ کلام شروع کیا ہے، اس کی پہلی جلد دیکھ کر توبت خوش ہوئی، اللہ تعالیٰ آپ کو تکمیل کا موقع دے۔

بندہ نے آپ کی خدمت میں اپنی چھٹی ہوئی کتاب "قبر پر سورہ بقرہ اول و آخر کی تلاوت"، ایک تحقیقی جائزہ "منہج دی ہے۔ امید ہے کہ آپ کو مل گئی ہوگی۔ بندہ نے اس کتاب میں راوی عبد الرحمن بن العلاء، بن الجراح کے بارے میں کتب جرح و تعدیل سے پوری تحقیق ذکر کرنے کی کوشش کی ہے، یہ صحاح ستہ میں سے صرف "ترمذی شریف" کے راوی ہے، "کتاب البیئاز" میں اس کی ایک روایت ہے جو "محکمہ معارف السنن" ص ۱۳۱ میں ہے۔ مجھے بڑی جستجو تھی کہ اس راوی کے بارے میں آپ نے کیا تحریر فرمایا ہوگا، آپ نے اس کے بارے میں زیادہ تفصیل نہیں ذکر کی ہے، صرف اتنا لکھا ہے کہ: لم یحکم الترمذی علی هذا الحدیث بشئ، وفي إسناده لثین من أجل جهالة عبد الرحمن بن العلاء۔ (تکملة معارف السنن ۱۳۱)۔

اس کے باوجود آپ نے "محکمہ معارف السنن" ص ۱۱۱ پر عبد الرحمن بن العلاء کی سند والی روایت کے بارے میں علامہ قمی کا یہ قول: "رجاله موثقون" بغیر کسی اعتراض کے نقل کر دیا ہے۔

بندہ نے اس کتاب میں اہمالی اور تفصیلی دونوں طریقوں سے "عبد الرحمن بن العلاء" کی توثیق اور معتبر ہونے اور کم از کم اس کی سند "حسن" درجے ہونے کے بارے میں پوری تحقیق ذکر کرنے کی کوشش کی ہے۔ امید ہے کہ آپ اس کو ملاحظہ فرمائیں گے، اور اس سلسلہ میں اپنی تفصیلی رائے سے فواریں گے۔

اسد اللہ خان پشاور

درس جامعہ اہل اہل العلوم الاسلامیہ

مسجد درویش ۳۸ مال روڈ صدر پشاور

۲۰۱۳/۱۲/۱۸

جواب خط:

و علیکم السلام در خدمت اللہ دیر کا تہ

آپ کی کتاب کے دو نسخے کل پرسوں ہی موصول ہوئے، بہت بہت شکریہ۔ ایک نسخہ لاہور کی لے کے بھجوا دیا ہے۔ آپ نے جس راوی کی طرف توجہ دلائی ہے اس پر آپ کی تحریر کی روشنی میں ان شاء اللہ دوبارہ دیکھ لوں گا اور ان شاء اللہ جب نظر ثانی کا موقع ملا تو اسے بھی مد نظر رکھ کر بہتری کر لی جائے گی۔

محمد زاہد

آپ کے توجہ دلانے کا بہت بہت شکریہ والسلام

کئی راسخوں نے خطوط لکھے، ایک صاحب نے کتاب پڑھی اور یہ خط لکھا ہے:

لقد وفقني الله تعالى بقراءة كتابكم من أوله إلى آخره ... فانشرح صدري وتنور عقلي وتبصر فكري بالبحث والتحقيق، فقد أجدت ما اجتهدتم وأفضمتم في ذلك حتى وصل البحث ذرا، ليكون نبراسا للعلم وطلايه.

فجزاكم الله خير الجزاء على هذا الجهد وجعله في ميزان حسناتكم ورزقكم الله وإيانا الإخلاص في جميع الأعمال، لنكون من المفلحين في الدنيا والآخرة، إنه سميع قريب مجيب، وصلى الله على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه وسلم.

أخوك المخلص مشتاق أحمد حسين راولپنڈی پاکستان

....

مولانا ساجد احمد صدوی صاحب کا تمبر و اشتہار:

مولانا ساجد احمد صدوی صاحب نے کتاب کے لئے درج ذیل اشتہار بتایا:

اللہ علم و ذوق کے لئے خوشخبری:

"عصر حاضر کے ایک نئے موضوع پر قاضی نوجوان، جناب مولانا مفتی اسد اللہ صاحب پشاور، سلمہ اللہ تعالیٰ کی تازہ تالیف "قبر پر سورہ بقرہ اول و آخر کی تلاوت" ایک

تحقیقی جائزہ منظر عام پر آگئی ہے۔ خوبصورت ڈاٹری وار جلد میں، صاف ستھری کمپوزنگ، بیسیوں مصادر اور مراجع کے حوالوں اور تحقیقات سے مزین۔

تدفین کے بعد قبر کے سرانے اور پانچ سورہ بقرہ کا اول و آخر تلاوت کرنے کے ثبوت، نیز حالت نزع، قبر کے پاس اور قبرستان میں تلاوت وغیرہ کے حوالے سے منقول لغات کی روایات کی تحقیق پر مشتمل - حدیث، فقہ، اسماء الرجال، جرح و تعدیل اور اصول حدیث کے گرانقدر مباحث سے مزین اس کتاب میں علمی دنیا کے اسلوب و انداز میں نام نہاد غیر مقلدین، بالخصوص شیخ ابہانی صاحب مرحوم اور دوسرے لوگوں کی پچھلائی ہوئی غلط فہمیوں کا نہایت محنت اور سنجیدگی کے ساتھ ازالہ کیا گیا ہے۔

قابل تھلیلہ علمی، تحقیقی اسلوب و انداز کے علاوہ اصل مسئلہ کے حتم میں دوسری علمی باتیں بھی آگئی ہیں، جو اہل علم و تحقیق کے لئے تسکین ذوق کا سامان ہیں۔ نئے فضاء کو معاشرتی زندگی میں اس کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔"

....

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کوشش کو اپنے دربار میں قبولیت بخشے۔

اسد اللہ خان

یکم رمضان ۱۴۳۶ھ ۱۹ مئی ۲۰۱۵م

شیخ آباد

پیش لفظ (طبع اول)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

میرے محترم بھائی مفتی رحیم داد صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ (فاضل و متخصص جامعہ عثمانیہ پشاور) نے ایک موقع پر بندہ سے فرمایا کہ: "دفن کے بعد قبر کے پاس جو سورت بقرہ کا اول آخر پڑھا جاتا ہے، اس کی روایت مرفوع ہے یا موقوف؟ نیز اس کا اسنادی حکم کیا ہے؟ بعض لوگ اس کے عدم جواز کے قائل ہیں اس سے بہت سختی کے ساتھ روکے ہیں، اور اس کو بدعت قرار دیتے ہیں۔"

برادر محترم نے فرصت نہ ہونے کی بنا پر بندہ سے کچھ لکھنے کا مطالبہ کیا کہ آئے دن عوام و خواص اس مسئلے کو سمجھنے کا مطالبہ کر رہے ہیں، یہی فرمان اس مقالے کی تالیف کا سبب بنا، بندہ نے بحث کو متعلقہ مقامات میں تلاش کرنا شروع کیا، تو اس سے متعلق کافی مواد ملا، مسئلہ اگرچہ ایک ہی ہے، تاہم اس کے ضمن میں فن حدیث اور مذاہب فقہیہ کے حوالے سے چند مباحث بھی آگئے تھے، اس لیے بندہ نے مناسب سمجھا کہ ان تمام مباحث کو مختوط کیا جائے، تاکہ اس کا نفع عام ہو۔

بندہ نے لپٹی ہے یا لپٹی کے باوجود ہمت کر کے لپٹی بساط کے مطابق لکھا، اور پھر اس طالب علمانہ کاوش کو نامور اور جید علماء کی خدمت میں تصویب و تائید کے لیے پیش کیا، انہوں نے میری حوصلہ افزائی فرمائی، شفقت فرما کر اس کی اشاعت کا حکم دیا۔

مفتی غلام الرحمن صاحب دامت برکاتہم (مہتمم جامعہ عثمانیہ پشاور) نے ملاحظہ فرمایا اور اہم مشورے دیئے۔ مفتی ذاکر حسن نعمانی صاحب دامت برکاتہم (شیخ الحدیث جامعہ عثمانیہ پشاور) کی خدمت میں ایک نسخہ پیش کیا، انہوں نے مصروفیات کے

باوجود صحیح فرمائی، اور اہم مشورے دیئے، ایک ملاقات میں فرمائیے گئے: "آپ نے اس میں تخصص فی الحدیث کا اچھا مظاہرہ کیا ہے۔" برادر محترم مفتی رحیم داد صاحب نے بھی پورے مسودے کی تصحیح کی اور اہم مشورے دیئے، محترم دوست مفتی احمد رضا صاحب (تخصص فی الحدیث، بنوری ناٹوں، و تخصص فی الفقہ دارالعلوم کراچی) نے بھی پورا مضمون مطالعہ فرمایا اور صحیح فرمائی، اور بہت اہم فنی مشورے دیئے۔ جناب مولانا ساجد احمد صدیقی صاحب (گھرانہ تخصص فی الحدیث جامعہ قاروقیہ کراچی) اور جناب مولانا سجاد انجلی صاحب نے بھی دو خانہ فقا حوصلہ افزائی اور رہنمائی فرمائی، اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائیں۔

اس مقالے کا اکثر حصہ جامعہ اہل دارالعلوم جامع مسجد درویش پشاور صدر کے دارالافتاء میں بیٹھ کر لکھا گیا ہے، تاہم اس کے حوالہ جات کے لیے بندہ نے کئی شخصی اور تجاری کتب خانوں سے بھی استفادہ کیا، اس لیے ان کے مسؤلین کا شکر گزار ہوں، خاص طور پر مولانا مفتی سہان اللہ جان صاحب (ریس دارالافتاء جامعہ اہل دارالعلوم جامع مسجد درویش پشاور صدر) کا شکر یہ ادا کرتا ہوں، جن کے زیر نگرانی ایک سال ترین افتاء کا موقع ملا، اور اسی سال کے دوران یہ مقالہ بھی لکھا، اور انہوں نے ایک طویل تحریر بطور مقدمہ و تقریر بھی اس مقالے کے لیے سپرد فرمائی، جزاءہم اللہ خیراً و أحسن الجزاء۔

۲۶/۱۱/۱۴۳۰ھ = ۱۳/۱۱/۲۰۰۹ء بروز جمعہ

صحیح و نظر ثالث: ۱۲ ستمبر ۱۴۳۲ھ بمطابق ۱۷ جنوری ۲۰۱۱ء

صحیح و نظر ثالث: ۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ بمطابق ۱۷ اپریل ۲۰۱۱ء

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

میت کو دفن کرنے کے بعد قبر کے سرہانے اور پانچویں کی جانب سورہ بقرہ کی ابتدائی اور آخری آیات پڑھنے کا عمل جو اکابر سے منقول چلا آرہا ہے وہ مستحب اور مستون عمل ہے۔ اس مسئلے سے متعلق دو احادیث کتب حدیث میں موجود ہیں، ایک حدیث حضرت کلاب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، اور دوسری حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے، ان دونوں احادیث کو متعدد محدثین نے اپنی کتابوں میں متعدد طرق سے ذکر کیا ہے، اور ان سے مسئلے پر استدلال بھی کیا ہے، یہ دونوں احادیث جملہ تفصیل کے ساتھ پیش خدمت ہیں:

پہلی حدیث: حدیث حضرت کلاب رضی اللہ عنہ:

اس حدیث کو امام بیہقی بن معین [۱۵۸/۴۲۳ھ]، امام طبرانی [۲۶۰/۳۶۰ھ] اور امام ابن عساکر [۳۹۹/۵۵۱ھ] نے روایت کیا ہے۔ اور اس کے بعد متعدد محدثین و فقہاء نے ان کی روایت اپنی کتابوں میں نقل کی ہیں، اب ان تمام حضرات کی روایات ترتیب وار ملاحظہ ہوں:

(۱) روایت امام بیہقی بن معین [۱۵۸/۴۲۳ھ]:

ان کی روایت کو متعدد محدثین نے نقل کیا ہے، ان میں ان کے مایہ ناز شاگرد امام عباس دوری [۱۸۵/۴۷۱ھ]، امام غزالی [۲۳۳/۱۱۱ھ]، امام لاکانی [۱۸۵/۳۱۸ھ]، امام تکی [۳۸۳/۳۵۸ھ] قابل ذکر ہیں۔ پھر ان کے بعد متعدد محدثین نے ان کی روایات کو اپنی کتابوں میں درج کیا ہے، ذیل میں ترتیب وار ان کی روایات پیش کی جاتی ہیں:

(الف) طریق امام عباس دوری:

امام بیہقی بن معین کی روایت ان کے ممتاز شاگرد امام عباس بن محمد بن حاتم دوری [۱۸۵/۴۷۱ھ] نے "تاریخ بیہقی بن معین" میں دو جگہ نقل کی ہے، چنانچہ دو جگہ لکھتے ہیں:

«حدثنا يحيى، قال: حدثنا عيسى بن إسماعيل الحلبي، قال: حدثني عبد الرحمن بن العلاء بن الجلاج، عن أبيه قال: قال لي أبي: يا بني! إذا أتت فضعني في اللحد وقل: بسم الله وعلى سنة رسول الله، وسن علي التراب سنا، واقرأ عند رأسي بفاعحة البقرة وخاتمتها، فإني سمعت عبد الله بن عمر يقول ذلك.»^(۱)

(ترجمہ):

«عبد الرحمن بن علاء بن کلاب اپنے والد عطاء سے نقل کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد حضرت کلاب نے فرمایا کہ اے میرے بیٹے! جب میں مر جاؤں، تو مجھے لحد میں رکھ دینا، اور یہ دعا پڑھنا "بسم اللہ وعلی سنتہ رسول اللہ" اور میرے سرہانے سورت بقرہ کا اول و آخر پڑھنا، کیونکہ میں نے عبد اللہ بن عمرؓ سے سنا ہے، وہ یہی فرماتے تھے۔»

اور دوسری جگہ روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

«سألت يحيى بن معين عن القراءة عند القبر، فقال: حدثنا مبشر بن إسماعيل الحلبي، عن عبد الرحمن بن العلاء بن الجلاج، عن أبيه

(۱) تاریخ بیہقی بن معین بروایۃ الدوری ۲/۲۴۶، حدیث: ۲۳۸

أنه قال لبنيه: إذا أدخلت القبر فضعوني في اللحد وقولوا: بسم الله وعلى سنة رسول الله، وسنوا على التراب سنًا، واقرأوا عند رأسي أول البقرة وخاتمتها، فإني رأيتُ عبدالله بن عمر يستحب ذلك^(۱)۔

اس روایت میں یہ ہے کہ امام عباسؑ دور پڑھاتے ہیں کہ میں نے امام یحییٰ بن معینؒ سے قبر کے پاس قرآن پڑھنے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواز کی دلیل کے طور پر مذکورہ حدیث پیش فرمائی، البتہ اس روایت میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس عمل کو مستحب کہتے تھے۔

(ب) طریق امام خلیلؒ [۳۳۳ھ/۵۱۱ھ]:

امام خلیلؒ نے قبر کے پاس قرآن پڑھنے کے جواز اور ثبوت کے موضوع پر مستقل کتاب "كتاب القراءة عند القبور"^(۲) تالیف فرمائی ہے، اور اس میں انہوں نے متعدد روایات سے یہ ثابت کیا ہے کہ قبر کے پاس قرآن کریم کی تلاوت جائز ہے۔

اس کتاب میں امام خلیلؒ نے دیگر روایات کی طرح مذکورہ بالا روایت سے بھی استدلال کیا ہے، انہوں نے امام عباسؑ دور پڑھنے سے بلا واسطہ روایت کی ہے، ملاحظہ ہو:

«أنا العباس بن محمد الدوري، قال: ثنا يحيى بن معين، قال: ثنا مبشر الحلي، قال: حدثني عبدالرحمن بن العلاء بن اللجلاج، عن أبيه

(۱) تاریخ یحییٰ بن معین بروایۃ الدوروی ۲/۳۷۹، حدیث: ۵۴۱۳

(۲) امام خلیلؒ کی یہ کتاب شیخ عمرو عبدالنعم سلمیٰ کی تحقیق کے ساتھ دارالاصحاب مطبوعہ مصر سے ۱۳۱۳ھ کو چھپی ہے، اور بحر شفاء فی حسن مراد کی تحقیق سے "الامر بالمعروف" کے ساتھ دارالکتب المطبعیہ بیت سے سن ۱۳۲۳ھ کو چھپی ہے، اس کے پیش نظر یہی نتیجہ ہے۔

قال: قال لي أبي: إذا أنا متُ فضعني في اللحد وقل: بسم الله وعلى سنة رسول الله، وسنّ علي التراب سنًا، واقرأ عند رأسي بفاحة الكتاب وسورة البقرة وخاتمتها، فإني سمعت عبدالله بن عمر يقول ذلك^(۱)۔

اس حدیث سے متعلق امام احمدؒ اور امام ابن قدامہؒ کا ایک واقعہ:

یہ روایت امام یحییٰ بن معینؒ کے حوالے سے پہلے گزر چکی ہے، البتہ امام خلیلؒ نے اس روایت سے متعلق امام احمد بن حنبلؒ اور امام محمد بن قدامہؒ جو ہرئی کے درمیان واقع ہونے والا ایک قصہ بھی نقل کیا ہے، ملاحظہ ہو:

«أخبرني الحسن بن أحمد الوراق، ثنا علي بن موسى الحداد - وكان صدوقًا، وكان ابن حماد المقرئ يرشد إليه - فأخبرني قال: كنتُ مع أحمد بن حنبل في جنازة، فلما دفن الميتُ جلس رجلٌ ضريِر يقرأُ عند القبر، فقال له أحمد: يا هذا إن القراءة عند القبر بدعة! فلما خرجنا من المقابر، قال محمد بن قدامة لأحمد بن حنبل: يا أبا عبدالله! ما تقول في مبشر الحلي؟ قال: ثقة. قال: كتبتُ عنه شيئًا؟ قال: نعم. قال: فأخبرني مبشر، عن عبدالرحمن بن العلاء بن اللجلاج، عن أبيه أنه أوصى إذا دفن أن يقرأُ عند رأسه بفاحة البقرة وخاتمتها وقال: سمعتُ ابن عمر يوصي بذلك. فقال له أحمد: فارجع فقلْ للرجل يقرأ^(۲)۔

(۱) كتاب القراءة عند القبور ص ۸۷۔

(۲) كتاب القراءة عند القبور ص ۸۸۔

(ترجمہ) : "امام غلالؒ فرماتے ہیں کہ مجھے امام حسن بن احمد راقیؒ نے خبر دی، وہ فرماتے ہیں کہ مجھے امام علی بن موسیٰ عداؤیؒ نے بیان کیا، اور وہ صدوق (سچے) تھے، اور امام ابن حماد مقرئؒ ان کی طرف رہنمائی فرماتے تھے، وہ فرماتے ہیں کہ میں امام احمد بن حنبلؒ اور امام محمد بن قدامتؒ کے ساتھ ایک چنارہ میں شریک تھا، جب میت کو دفن کیا گیا، تو ایک ٹائپا شخص قبر کے پاس چلے کر قرآن پڑھنے لگا، تو امام احمد بن حنبلؒ نے اس سے فرمایا: ارے بھائی! قبر کے پاس قرآن پڑھنا بدعت ہے۔ جب ہم قبرستان سے نکل گئے، تو امام محمد بن قدامتؒ نے امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا، ارے ابو عبد اللہ! آپ مبشر طبریؒ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ تو امام احمدؒ نے جواب دیا کہ وہ ثقہ ہے، پھر امام محمد بن قدامتؒ نے پوچھا کہ آپ نے مبشر طبریؒ سے کوئی حدیث کہی ہے؟ تو امام احمدؒ نے فرمایا: ہاں^(۱) اس پر امام محمد بن قدامتؒ نے مبشر طبریؒ کی وہ حدیث پیش فرمائی جو پہلے گزر چکی ہے) اس کے بعد امام احمدؒ نے فرمایا: جاؤ اور اس شخص سے کہو کہ وہ قرآن پڑھتا رہے۔"

امام غلالؒ نے مذکورہ بالا قصہ ایک اور سند کے ساتھ بھی ذکر کیا ہے، یہ اور اس واقعہ کی استادی حیثیت سے متعلق تفصیل "ذہب امام احمد بن حنبلؒ" کے تحت آئے گی۔

امام غلالؒ کی کتاب "الامری بالمعروف" کا حوالہ:

- (۱) متفق اور خاما صاحب سرگودھی نے اس کتاب کی تصحیح میں یہاں ترجمہ اس طرح کیا ہے:
- "پھر امام احمدؒ نے امام محمد بن قدامتؒ سے پوچھا کہ آپ نے مبشر طبریؒ سے کوئی حدیث کہی ہے؟ تو امام احمدؒ نے فرمایا: ہاں۔"

امام غلالؒ نے ایک اور کتاب بھی لکھی ہے، جس کا نام ہے "الامری بالمعروف والنہی عن المنکر" اس کتاب میں بھی انہوں نے مذکورہ بالا تمام روایات ذکر کی ہیں۔^(۱)

علامہ ابن القیمؒ کا حوالہ:

علامہ ابن القیمؒ حنفی (۵۱۳ھ) نے بھی امام غلالؒ کی کتاب "الفرادة عند القیود" کے حوالے سے مذکورہ بالا روایات "کتاب البرص" میں نقل کی ہیں، اور ان پر کسی قسم کا کلام نہیں کیا۔^(۲)

علامہ عبد اللہ غازیؒ کا حوالہ:

اور علامہ ابو الفضل محمد بن عبد اللہ بن صدیق غازیؒ [۱۳۲۸ھ / ۱۳۱۳ھ] نے اپنی کتاب "الرد المحکم المتین فی کتاب القول المبین" میں جہاں قبر کے پاس قرآن پڑھنے کے جواز کے بارے میں بحث کی ہے، تو وہاں علامہ ابن القیمؒ کے حوالے سے امام غلالؒ کی مذکورہ بالا روایات سے بھی استدلال کیا ہے، اور امام احمدؒ کا مذکورہ بالا قصہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"انظر إلى إحصاف الإمام أحمد وسرعة رجوعه إلى الصواب، ووازنه بحال الوهابية وشدة تعصبهم لرأسم القاسمده۔"^(۱)

- (۱) ملاحظہ فرمائیے: الامری بالمعروف والنہی عن المنکر ۱/ ۲۹۲، یہ کتاب شیخ حسن محمود سلیم کی تحقیق کے ساتھ دارالعلوم اسلامیہ روست سے ۱۳۱۰ھ کو چھپی ہے، اور بحر شیخ حسن مراد کی تحقیق کے دارالکتب المطبعیہ روست سے ۱۳۴۴ھ کو چھپی ہے۔
- (۲) ملاحظہ ہو: کتاب البرص ص ۱۰۱-۱۱۱ طبع حیدرآباد دکن مکتبہ۔

(ترجمہ) "امام احمدؒ کا انصاف دیکھئے کہ سختی جلدی درست بات قبول کر لی، اور اس کے بالقابل آج کل کے وہابیوں (سلفیوں، غیر مقلدین) کے حال کا اندازہ لگاؤ، جو کسی قدر اپنی باطل رائے پر سختی کے ساتھ جتے رہتے ہیں۔"

اور علامہ عبد اللہ غدارؒ نے ہی اپنے فتاویٰ میں بھی یہ روایات ذکر کی ہیں، اور مذکورہ بالا قصہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

فانظروا إلى إنصاف الإمام أحمد وسرعة رجوعه إلى الدليل۔^(۲)

علامہ عبد التتاج ابو نعیمؒ کا حوالہ:

استاذ الاساتذہ علامہ عبد التتاج ابو نعیمؒ (۱۳۳۶ھ/۱۹۱۷ء) نے بھی علامہ ابن القیمؒ کے حوالے سے مذکورہ بالا قصہ نقل کیا ہے اور اس کے بعد لکھتے ہیں:

وفرحم الله الإمام أحمد، ماكان بينه وبين الحق عداوة، والله ولي التوفيق۔^(۳)

(ترجمہ): "ہم اللہ تعالیٰ امام احمدؒ پر رحم فرمائے کہ حق بات کے ساتھ ان کی کوئی دشمنی نہیں تھی (کہ اسے قبول کرنے میں تامل کرتے) اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دیتے والے ہیں۔"

(۱) الرد المحکم المتین فی کتاب القول المبین ص ۲۹۴۔

(۲) الحاوی فی فتاویٰ الحفاظ الغھاری ص ۳۸۔

(۳) مقدمة ثلاث رسائل في استحباب الدعاء ووقف البدین فیہ بعد الصلوات المکتوبة ص ۸۔

علامہ محمد عوامہؒ کا حوالہ:

اور عصر حاضر کے عظیم محقق علامہ محمد عوامہؒ رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی نہایت مفید کتاب "آثار الحدیث الشریف" میں مذکورہ بالا قصہ نقل کیا ہے۔^(۱)

(۱) آثار الحدیث الشریف فی اختلاف الأئمة الفقہاء ص ۱۶۲-۱۶۳۔

موصوف حوالے کے لیے لکھتے ہیں: "الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر" صفحة ۱۲۱ من طبعة مصر. ونقله ابن القيم في "كتاب الروح" صفحة ۳۱. ونسبه إلى الحلال في كتابه "الجامع"، فعمل النص المذكور في الكتابين؟ وأوان الأمر بالمعروف فصل من فصول "الجامع".

در اصل علامہ ابن القیمؒ نے امام غزالیؒ کی عبارت کے حوالے کے لیے ان کی کتاب کا نام "الجامع کتاب القراءة عند القبور" لکھا ہے، جس سے ظاہر ہوا معلوم ہوتا ہے کہ امام غزالیؒ کی یہ کتاب بہت بڑی ہے، حالانکہ یہ نہایت مختصر ہے، جس میں کل بارہ روایات ہیں، علامہ ابن القیمؒ کے حوالے کے باوجود محمد عوامہؒ نے اپنے اس خیال کا انکار فرمایا ہے کہ امام غزالیؒ کی کتاب "الامر بالمعروف" ان کی کتاب "الجامع" کی ایک فصل معلوم ہوتی ہے، حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے، کیونکہ "الامر بالمعروف" کتاب القراءة عند القبور سے بہت بڑی ہے۔ اور "کتاب القراءة عند القبور" کی تمام روایات "الامر بالمعروف" کے آخر میں موجود ہیں، اس طرح یہ کہنا ہے جائز ہوگا کہ "کتاب القراءة عند القبور" "الامر بالمعروف" کی ایک فصل ہے، البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ یہاں "الجامع" سے مراد امام غزالیؒ کی ایک تیسری کتاب "الجامع لعلوم احدثین حبیل" ہو، اس کتاب کے بارے میں حاتی غلیظ لکھتے ہیں: "کہ مذہب عقلی میں اس طرح کی کوئی اور کتاب نہیں لکھی گئی ہے۔" (کشف الظنون ۱/۴۰۴، طبع دار الفکر بیروت ۱۴۱۹ھ) واللہ اعلم۔

نوٹ:

لام غلال اور ان کی تصانیف، نیز اس واقعہ کی ابتدائی حیثیت کے حوالے سے مزید تفصیل ”مذہب علی“ کے عنوان کے تحت آئے گی۔

(ج) طریق نام لاکائی العری [۳۱۸ھ]:

لام ہدایت بن حسن بن منصور لاکائی نے بھی حضرت لجان کی اس روایت کو اپنی کتاب ”شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة“ میں اپنی سند سے روایت کیا ہے، ان کی سند واسطوں سے لام عباس دورٹی سے مل جاتی ہے، ملاحظہ ہو:

”أنا علي بن عمر بن إبراهيم، أنا إسماعيل بن محمد، قال: نا عباس بن محمد، قال: نا يحيى بن معين، نا مبشر بن إسماعيل الحلبي، عن عبد الرحمن بن العلاء بن اللجلج، عن أبيه أنه قال لبنيه: إذا أدخلتموني قبري فضعوني في اللحد وقولوا: بسم الله وعلى سنة رسول الله، وسنوا علي التراب سنًا، واقرأوا عند رأسي أول البقرة وخالفتموها، فإني رأيت ابن عمر يستحب ذلك.“^(۱)

(۱) شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة من الكتاب والسنة وإجماع الصحابة والتابعين ومن بعدهم ۴/ ۱۲۲۷ (۱۲۷۴)۔

لام لاکائی کی یہ کتاب پہلے ڈاکٹر احمد مسعود رحمان کی تحقیق کے ساتھ ”دار طیبہ ریاض“ سے ۱۳۰۹ھ کو چھپی ہے، پھر ابو یوسف لکھنؤ بن کمال مصری کی تحقیق اور مصطفیٰ مدنی کے مقدمہ کے ساتھ کتبہ اسلامیہ مصر سے ۱۳۲۳ھ کو چھپی ہے۔ اس کے پیش نظر مقدمہ الذکر۔

(د) طریق نام تعلق [۳۸۳ھ/۳۵۸ھ]:

لام ابو بکر احمد بن حسین بن علی تعلق نے بھی حضرت لجان کی اس روایت کو اپنی کتاب ”السنن الکبریٰ“ میں اپنی سند سے روایت کیا ہے، ان کی سند واسطوں سے لام عباس دورٹی سے مل جاتی ہے، ملاحظہ ہو:

”أخبرنا أبو عبد الله الحافظ، ثنا أبو العباس أحمد بن يعقوب، ثنا: العباس بن محمد، سألت يحيى بن معين عن القراءة عند القبر، فقال: حدثنا مبشر بن إسماعيل الحلبي، عن عبد الرحمن بن العلاء بن اللجلج، عن أبيه أنه قال لبنيه: إذا أدخلتموني قبري فضعوني في اللحد وقولوا: بسم الله وعلى سنة رسول الله، وسنوا علي التراب سنًا، واقرأوا عند رأسي أول البقرة وخالفتموها، فإني رأيت ابن عمر يستحب ذلك.“^(۱)

لام تعلق کی اس روایت کو متحدہ دعوہ شیعہ نے ذکر کیا ہے، ذیل میں ترتیب وار حوالے نقل کیے جاتے ہیں:

(۱) علامہ نووی کا حوالہ:

”نوی ہے۔ جیسا کہ عام طور پر سچر و روش ہے، تعلق احمد مسعود رحمان نے بھی علامہ المہدی کی تحقیق پر اعتماد کر کے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، اس کے بارے میں تفصیل کے ساتھ آگے بحث کی جائے گی۔ نیز اس نے شیخ قائل لولہ کی جگہ قائل لولہ دہے، جرح لفظ ہے۔“

(۱) السنن الکبریٰ ۵/ ۴۰۴، کتاب الجنائز، باب ماورد في قراءة القرآن عند القبر۔

علامہ نوویؒ [۲۳۱ھ / ۸۴۷ء] نے اپنی کتاب "الأذکار" میں امام بیہقیؒ کی اس روایت سے استدلال کیا ہے، اور لکھا ہے کہ اس کی سند حسن درجے کی ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں:

«ورويانا في سنن البيهقي بإسناد حسن أن ابن عمر استحب أن يقرأ على القبر بعد الدفن أول سورة البقرة وخاتمتها»^(۱)

(۲) علامہ ابن عساکرؒ کا حوالہ:

علامہ ابن عساکرؒ متوفی [۱۰۵۷ھ] نے "کتاب الأذکار" کی شرح میں مذکورہ بالا عبارت کی جو شرح کی ہے وہ بہت اہم ہے، کیونکہ اس میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی "کتاب الأذکار" کی تخریج کا حوالہ ہے، اور تخریج کا جو نسخہ منسوب ہے اس میں یہ عبارت نہیں ہے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بیہقیؒ کی اس سند کو حسن درجے کا قرار دیا ہے، جس کی مزید تفصیل آگے آجائے گی، چنانچہ وہ کہتے ہیں:

«قوله: وروينا في سنن البيهقي» قال الحافظ بعد ترجمته بسنده إلى البيهقي قال: حدثنا أبو عبد الله الحافظ، ثنا أبو العباس... قال الحافظ بعد ترجمته: هذا موقوف حسن، أخرجه أبو بكر الخلال، وأخرجه من رواية علي بن موسى الخداد وكان صدوقاً قال: صلينا... الخ [قوله: أنا بن عمر استحب] ظاهر إيواذه أنه موقوف على ابن

عمر، وقضية إيواذه «الحسن» أنه نبه عليه في «الحرز»، والصواب أنه موقوف على ابن عمر رواه عنه البيهقي وغيره»^(۱)

(۳) علامہ ابن الجزریؒ کا حوالہ:

۳- علامہ ابن الجزریؒ [۷۵۱ھ / ۸۳۳ھ] نے بھی امام بیہقیؒ کی اس روایت کو اپنی مشہور کتاب "الحسن الحصین" میں نقل کیا ہے، اور اس سے استدلال کیا ہے، ان کی عبارت ہے: «ويقرأ على القبر بعد الدفن أول سورة البقرة وخاتمتها» [سنی]»^(۲)

(۴) علامہ غامی قاریؒ کا حوالہ:

علامہ غامی قاریؒ متوفی [۱۰۱۳ھ] "الحسن الحصین" کی شرح میں لکھتے ہیں:

«ويقرأ» بصيغة الفاعل وفي نسخة على بناء المجهول [على القبر] أي على طرفه [بعد الدفن أول سورة البقرة] أي إلى المفلحون وخاتمتها [سنی] أي رواه البيهقي في السنن الكبير، وليس في المفاوش منسوباً إلى أحد من الصحابة، والمتبادر أنه من رواية عثمان أيضاً، لكن قال النووي في "الأذکار": «ورويانا في سنن البيهقي» أن ابن عمر استحب أن يقرأ بعد الدفن أول سورة البقرة وخاتمتها، وقال ميرك:

(۱) ... الفتوحات الربانية شرح الأذکار ۴/ ۱۹۴۔ بعد میں نتائج الأذکار کی تخریج

... أحاديث الأذکار ۳/ ۲۶ کی علامت میں یہ حوالہ مل گیا۔

(۲) الحسن الحصین بشرح الحوزة الثمين ص ۱۵۱۔

(۱) کتاب الأذکار ص ۱۳۷، باب مايقوله بعد الدفن.

«وظاهر إيرادہ يقتضي الوقف خلاف ما يقتضيه إيراد الشيخ قدس سرہ فتأمل»^(۱)

ملاحظی قارئ نے یہاں جو اس روایت کے بارے میں یہ بحث کی ہے کہ یہ کس صحابی کی روایت ہے؟ نیز یہ موقوف ہے یا موقوف؟ اس مقالے میں تفصیل کے ساتھ ان سب کے جوابات دیں، غلام یہ ہے کہ یہ حضرت عثمان غنی کی روایت نہیں، بلکہ حضرت کلاب اور حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت ہے۔ اور تنقیح کی یہ روایت اگرچہ موقوف ہے، تاہم ان کی موقوف حدیث بھی ہے، جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔^(۲)

(۵) علامہ شوکانی کا حوالہ:

علامہ شوکانی "عدة الحصن الحصين" کی شرح میں لکھتے ہیں:

الحديث أخرجه البيهقي في السنن كما قال المصنف رحمه الله، وهو عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: «استحب أن يقرأ على القبر بعد

(۱) الخروز الثمين بشرح الحصن الحصين ص ۴۱۷.

(۲) «الخروز الثمين» کا ذکر بالا حوالہ بندہ نے علامہ محدث محمد ابن اور کرنی شیعہ کے کتبہ میں حضرت شیعہ کے سامنے نکالا تھا، حضرت کے سامنے بھی بندہ نے یہ اشکال عرض کیا، اور اپنی یہ رائے بھی ذکر کی، حضرت نے کتاب لب، اور عین نقر سے مطالعہ کرنے لگے اور فرمایا کہ سابقہ روایت کے راوی چونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں، اس لیے ملاحظی قارئ نے یہ فرمایا کہ بظاہر اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت ہو۔

رحمہ اللہ رحمۃ واسع

الدفن أول سورة البقرة وخاتمتها، وحسن النووي إسناده، وهو وإن كان من قوله فمثل ذلك لا يقال من قبل الرأي، ويمكن أنه لعل علم بما ورد في ذلك فضل على العموم استحب أن يقرأ على القبر؛ لكونه فاضلاً رجاء أن يتنفع الميت بتلاوته»^(۱)

(ترجمہ): "یہ حدیث امام تنقیح نے اپنی "سنن" میں روایت کی ہے، جیسا کہ خود مصنف (علامہ جزرئی) نے فرمایا ہے۔ اور یہ روایت حضرت ابن عمر سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: "میں مستحب سمجھتا ہوں کہ دفن کے بعد قبر کے پاس سورت بقرہ کے شروع اور آخر کے حصے پڑھے جائے۔" اور امام نووی نے اس سند کو حسن کہا ہے، اور یہ اگرچہ حضرت ابن عمر کا قول ہے، لیکن اس طرح کی بات اپنی رائے و قیاس سے نہیں کہی جاسکتی، (لہذا بظاہر حضور ﷺ سے سنی ہوگی، جس کو اصطلاح میں موقوف بمنزلہ موقوف کہا جاتا ہے)، اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت ابن عمر کو اس سورت بقرہ کے دو عمومی فضائل معلوم ہوئے ہوں، جو احادیث میں وارد ہوئے ہیں، تو ان عمومی فضائل کی بنا پر انہوں نے مستحب اور افضل سمجھا کہ یہ قبر پر پڑھی جائے؛ کیونکہ یہ فضیلت والی ہے، امید ہے کہ میت کو اس سے فائدہ ہو جائے۔"^(۲)

(۱) تحفة الذاکرین بعدة الحصن الحصين ص ۲۹۴-۲۹۵.

(۲) محترم دوست مطلق احمد رضا صاحب نے اس عبارت "لکونہ فاضلاً" کا یہ ترجمہ کیا ہے "چونکہ حضرت عبداللہ بن عمر صاحب علم و فضل تھے۔" اور محترم بہائی مطلق رحمہ اللہ صاحب نے فرمایا ہے کہ "لکونہ" میں ضمیر کا مرقع اول سورۃ بقرہ ہے، امید ہے میت کو اس سے فائدہ ہو جائے۔"

(۸) علامہ ظفر احمد عثمانی کا حوالہ:

علامہ ظفر احمد عثمانی نے بھی امام تثنقی کی یہ روایت نقل کی ہے، اور علامہ نووی کی حسین پر اعتماد کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

«وفي «الأذکار» للنووي (۷۴): «وروي في «سنن البيهقي» بإسناد حسن أن ابن عمر استحب أن يقرأ على القبر بعد الدفن أول سورة البقرة وخاتمتها». وهو موقوف في حكم المرفوع، فإنه غير مدرک بالرأي. قال المؤلف: دلالة على الجزء الثالث من الباب ظاهرة»^(۱)

(۲) روایت امام طبرانی [۳۶۰/۲۶۰ھ]

امام سلیمان بن احمد بن ابوب طرائی نے بھی حضرت کبار کی روایت متعدد طرق سے روایت کی ہے، ان کی روایت بھی مبشر علی پر جا کر، قبل اسانہ کے ساتھ مل جاتی ہے، ملاحظہ ہو:

«حدثنا أبو أسامة عبد الله بن محمد بن أبي أسامة الحلبي، حدثنا أبي. ح وحدثنا إبراهيم بن دحيم الدمشقي، حدثنا أبي. ح وحدثنا الحسين بن إسحاق التستري، حدثنا علي بن بحر. قالوا: حدثنا مبشر بن إسماعيل، حدثني عبد الرحمن بن العلاء بن الجلاج،

(۱) الرد المحتكم المتن ص ۲۶۳.

(۲) إعلاء السنن ۳/۸، باب استحباب زيارة القبور عموماً وزيارة قبر

النبي ﷺ خصوصاً، وما يقرأ فيها.

یہاں علامہ شوکانی نے علامہ نووی کی حسین پر اعتماد کیا ہے، البتہ علامہ شوکانی نے جو یہ بحث کی ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے یا مرفوع؟ اس سے متعلق بحث آگے آجائے گی، لیکن ان کا یہ کہنا: "اور یہ بھی ممکن ہے کہ ابن عمر کو اس سورت بقراء کے عمومی فضائل معلوم ہوئے، جو احادیث میں وارد ہوئے ہیں، تو ان عمومی فضائل کی بنا پر انہوں نے مستحب اور افضل سمجھا کہ یہ قرآن پڑھی جائے؛ کیونکہ یہ فضیلت والی ہے، امید ہے میت کو اس سے فائدہ ہو جائے۔" بظاہر یہ درست معلوم نہیں ہوتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ علامہ شوکانی کی نظر سے حضرت ابن عمر کی مرفوع حدیث نہیں گذری، جس میں انہوں نے خود حضور ﷺ سے اس خاص عمل کو نقل کیا ہے، اور یہ روایت تفصیل کے ساتھ آگے ذکر کی جائے گی۔

(۶) علامہ نواب صدیق حسن خان کا حوالہ:

مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خان [۱۳۳۸ھ/۱۳۰۷ھ] نے دعاؤں اور اذکار سے متعلق جو کتاب لکھی ہے "نزل الأبرار" اس میں انہوں نے امام تثنقی کی یہ روایت نقل کر کے علامہ شوکانی کی مذکورہ بالا عبارت نقل کی ہے۔^(۱)

(۷) علامہ عبد اللہ غازی کا حوالہ:

علامہ عبد اللہ غازی نے بھی امام تثنقی کی یہ روایت نقل کی ہے، اور حافظ ابن حجر کی حسین پر اعتماد کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: «قال الحافظ في «أمالي الأذکار»: «هذا موقوف حسن»^(۱)

(۱) ملاحظہ ہو: نزول الأبرار بالعلم المأثور من الأدعية والأذکار ص ۲۹۰.

عن أبيه قال: «قال لي أبي: يا بني! إذا أنا ميتٌ فألحدني فإذا وضعتني في لحدي فقل: بسم الله وعلى ملة رسول الله، ثم منّ علي التراب سنّاً، ثم اقرأ عند رأسي بفاتحة البقرة وخاتمتها، فإني سمعتُ رسول الله ﷺ يقول ذلك»^(۱)

علامہ طبرانی کے حوالے سے اس روایت کو متعدد محدثین نے نقل کیا ہے، چند حسب ذیل ہیں:

علامہ ذہبی کا حوالہ:

۱- علامہ نور الدین ذہبی متوفی [۸۰۷ھ] "مجمع الزوائد" میں اس روایت کو نقل کر کے اس کے تمام راویوں کو ثقہ قرار دیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

«رواه الطبراني في الكبير ورجاله موثقون»^(۲)

علامہ زیلعی کا حوالہ:

۲- علامہ زیلعی متوفی [۷۶۱ھ] نے بھی یہ روایت "نصب الرأية" میں نقل کی ہے، اور اس پر سکوت فرمایا ہے۔^(۳)

علامہ ابن حجر کا حوالہ:

(۱) المعجم الكبير للطبراني ۸/ ۲۹۱، طبع دار الكتب العلمية بيروت.

(۲) مجمع الزوائد ۳/ ۱۲۴، حدیث (۴۲۴۳).

(۳) ملاحظہ ہو: نصب الرأية في تخریج أحادیث الهداية ۲/ ۳۰۲.

۳- اسی طرح علامہ ابن حجر عسقلانی متوفی [۸۵۴ھ] نے بھی یہ روایت اپنی دو کتابوں "الدراية" اور "التلخیص الحیبر" میں نقل کی ہے اور کوئی کام نہیں کیا ہے۔^(۱)

علامہ صالحی شامی کا حوالہ:

۴- علامہ محمد بن یوسف صالحی شامی متوفی [۹۹۴ھ] نے اس روایت کو اپنی کتاب "سبیل الہدی والرشاد" میں نقل کر کے لکھا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں، ان کے الفاظ یہ ہیں: «روی الطبراني برجال ثقات»^(۲)

علامہ شوکانی کا حوالہ:

۵- علامہ شوکانی متوفی [۱۲۵۰ھ] نے بھی یہ روایت "نبیل الأوطار" میں نقل کر کے کوئی کام نہیں کیا ہے۔^(۳)

علامہ نیوی کا حوالہ:

۶- علامہ محمد بن علی نیوی متوفی [۱۳۳۴ھ] نے بھی "آثار السنن" میں اس روایت سے استدلال کیا ہے، اور اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے، ملاحظہ ہو:

(۱) ملاحظہ ہو: الدراية في تلخیص نصب الرأية ۱/ ۲۴۱، التلخیص الحیبر

۳۸۲/۲

(۲) سبیل الہدی والرشاد في سيرة خير العباد ۸/ ۵۰۷.

(۳) نبیل الأوطار شرح منتنی: الأخبار ۴/ ۸۰-۸۱.

«رواه الطبرانی فی المعجم الكبير» وإسناده صحيح»^(۱)

علامہ ظفر احمد عثمانی کا حوالہ:

۷۔ علامہ ظفر احمد عثمانی [۱۳۱۰ھ / ۱۳۹۳ھ] نے بھی "إعلاء السنن" میں اس روایت سے استدلال کیا ہے، اور علامہ نیوٹی کی تصحیح پر اعتماد کیا ہے۔^(۲)

علامہ عبد اللہ غامری کا حوالہ:

۸۔ علامہ عبد اللہ غامری [۱۳۲۸ھ / ۱۴۱۳ھ] نے بھی اس روایت سے استدلال کیا ہے، اور علامہ نیوٹی کی توثیق ذکر کی ہے، اور لکھا ہے کہ اس کی سند "حسن" درجے کی ہے، ملاحظہ ہو:

«بل ثبت أعلى من هذا وهو أن اللجلاج أوصى ابنه العلاء إذا مات ودفنه أن يقرأ على قبره بخاتمة البقرة. وقال: إني سمعت رسول الله ﷺ يقول ذلك. وهذا حديث حسن، قال عنه الهيثمي: رجاله موثقون»^(۳)

علامہ عبید اللہ مبارکپوری کا حوالہ:

آثار السنن ص ۲۷۲.

۱۔ إعلاء السنن ۸/ ۳۴۲.

(۳) الحاوی فی فتاوی الخافظ عبداللہ الغامری ص ۳۱. میزان کی دوسری کتاب

«الرد المحکم المتین» ص ۲۴۳ ملاحظہ ہو۔

۹۔ علامہ عبید اللہ مبارکپوری نے بھی اس روایت کو ذکر کیا ہے، اور علامہ زبیدی کے سکوت اور علامہ نیوٹی کی توثیق کا ذکر کیا ہے، ملاحظہ ہو:

«ونقل الزيلعي حديث عبدالرحمن ابن اللجلاج عن أبيه... وهذا كما ترى مرفوع، وقد سكت عنه الزيلعي. وقال الهيثمي: رجاله موثقون»^(۱)

علامہ وہبی سلیمان غامدی کا حوالہ:

۱۰۔ علامہ وہبی سلیمان غامدی مدظلہ نے بھی اس روایت سے استدلال کیا ہے، اور اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں: «رواه الطبرانی وإسناده صحيح»^(۲)

☆☆☆

(۱) المراجعة شرح المشكاة ۵/ ۴۵۴.

(۲) أركان الإسلام ۱/ ۳۱۲، طبع دار البشائر، م. ت.

(۶) روایت امام ابن عساکرؒ [۳۹۹ھ/۵۵۷ھ]:

امام ابو القاسم علی بن حسن بن ابی اللہ ابن عساکر شافعیؒ نے بھی حضرت لجلجیج کی حدیث متعدد سندوں کے ساتھ نقل کی ہے، ملاحظہ ہو:

«أخبرنا جدي لامي أبي الفضل يحيى بن علي القاضي، أنبأنا عبد الرزاق بن عبد الله بن الحسن بن الفضل، ح وحدثنا أبو محمد بن صابر لفظاً، أنبأنا علي بن الحسن بن عبد السلام بن أبي الحرزور وعبد الله بن عبد الرزاق بن عبد الله، قالوا: أنبأنا أحمد بن محمد بن أحمد العتيفي، حدثنا علي بن محمد بن أحمد بن لؤلؤ، حدثنا عبد الله بن محمد بن ناجيه، حدثنا أبو همام، حدثنا مبشر بن إسحاق، عن عبد الرحمن بن العلاء بن اللجلج، عن أبيه قال: قال لي أبي: يا بني! إذا أنا ميتٌ فألحدني فإذا وضعتني في لحدي فقل: بسم الله وعلى سنة رسول الله، وسن علي التراب سناً، ثم اقرأ عند رأسي بفاتحة البقرة وخاتمتها، فإني سمعت ابن عمر يقول ذلك»^(۱)

علامہ محمد یوسف کاندھلوی کا حوالہ:

علامہ ابن عساکرؒ کی اس روایت کو مولانا محمد یوسف کاندھلوی متوفی [۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳م] نے بھی اپنی کتاب ”حیۃ الصحابہ“ میں ”کنز العمال“ کے حوالے سے نقل کیا ہے، جس پر انہوں نے باب بالمدح ہے: «وصية العلاء بن اللجلج لبنيه

بإذا يفعلون إذا أدخلوه قبره». (حضرت علاء بن لجلجیج کی اپنے بیٹوں کو وصیت کہ قبر میں داخل کرنے کے بعد کیا کریں گے)

«أخرج ابن عساكر عن العلاء بن اللجلج أنه قال لبنيه: إذا دخلتموني قبري فضعوني في اللحد، وقولوا بسم الله وعلى ملة رسول الله ﷺ وسنوا على التراب سناً وقرأوا عند رأسي أول البقرة وخاتمتها؛ فإني رأيت ابن عمر رضي الله عنه ما يستحب ذلك. كذا في الكنز»^(۱)

یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ «حیۃ الصحابہ» میں چونکہ اس روایت کو «کنز العمال» کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے، اور «کنز العمال» میں اس روایت کو ابن عساکر کے حوالے سے اس طریقہ پر نقل کیا گیا ہے کہ اس کو حضرت علاء کی وصیت قرار دی گئی ہے، لیکن ابن عساکر کی روایت براہ راست ملاحظہ کی جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ حضرت علاء کی وصیت نہیں بلکہ حضرت لجلجیج رضی اللہ عنہ کی وصیت ہے۔

☆☆☆

(۱) ملاحظہ ہو: «حیۃ الصحابہ» ۳/ ۱۱۰، تحقیق العلامة محمد إلیاس الباری بنکوی، ۱/ ۳۸۹ تحقیق الدكتور بشار عواد، و ۳/ ۳۱۸ ترجمہ اُردو للعلامة محمد إحياء الحق حفظه الله تعالى.

(۱) تاریخ دمشق ۵۳/ ۲۴۷-۲۴۸، جزء یکم: ۵۸/ ۵۸.

حدیث حضرت لجلال کے بارے میں چند اہم نکات

(۱) حدیث لجلال مرفوع ہے یا موقوف؟

یہاں یہ بات وضاحت طلب ہے کہ حضرت لجلال سے منقول یہ حدیث مرفوع ہے یا موقوف؟ کیونکہ امام بیہقی بن معین، امام علاء، امام لاکھانی، امام تہذیبی اور امام ابن عساکر کی روایات کے مطابق یہ موقوف ہے، اس میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے قول یا عمل کو بیان کیا گیا ہے، جبکہ امام طبرانی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے؛ کیونکہ حضرت لجلال نے فرما رہے ہیں کہ میں نے یہ رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔

علامہ عبداللہ غماری کی توجیہ:

علامہ عبداللہ غماری نے اس حوالے سے بہت عمدہ بات کہی ہے، اور اس طرح دونوں قسم کی روایات میں تطبیق ہو جاتی ہے کہ یہ دونوں روایات الگ الگ ہیں، موقوف روایت میں علامہ بن لجلال حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے عمل کا ذکر کر رہے ہیں اور علامہ بن لجلال حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے شاگرد ہیں، جبکہ مرفوع روایت میں حضرت لجلال ص برادرِ راست حضور ﷺ سے روایت کر رہے ہیں۔

ان کی عبارت ملاحظہ ہو:

«قلت: العلامة بن اللجلال تابعي وأبوه اللجلال صحابي، وليس بين هذه الرواية ورواية اللجلال تناقض كما فديتهم؛ لأن اللجلال

روى ما سمعه من النبي ﷺ، كما رواه ابن عمر، والعلاء روى ما سمع ابن عمر يوصي به، وإنا نبهت على هذا مع وضوحه لئلا يدعي جاهل متطلع ضعف الحديث واضطرابه»^(۱)

(ترجمہ): "میں کہتا ہوں کہ علامہ بن لجلال تابعی ہیں، اور ابن کے والد حضرت لجلال صحابی ہیں، اور اس روایت اور حضرت لجلال کی روایت میں کوئی تناقض نہیں ہے، جیسا کہ یہاں وہم ہو سکتا ہے؛ کیونکہ حضرت لجلال حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی طرح برادرِ راست حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں، جبکہ علامہ بن لجلال حضرت عبداللہ بن عمرؓ وصیت روایت کر رہے ہیں، یہ بات اگرچہ بہت واضح ہے، اس کے باوجود میں نے اس پر تنبیہ اس لیے کی ہے، تاکہ کوئی جاہل متعصب یہ دعویٰ نہ کر بیٹھے کہ یہ حدیث ضعیف اور مضطرب ہے (یعنی اس اضطراب کی وجہ سے ضعیف ہے)۔"

علامہ عبداللہ غماری کی تحقیق کے پیش نظر موقوف روایت کی صورت میں آخری جملہ «رايت ابن عمر يوصي به» مستحب/يقول ذلك «حضرت لجلال کے بیٹے علامہ بن لجلال تابعی کا منقول ہے، اور اس تحقیق کے مطابق روایات کی کل تعداد تین ہو گئیں، ایک روایت ابن عمر مرفوع، دوسری روایت ابن عمر موقوف، تیسری روایت لجلال مرفوع۔

اب یہ الگ بحث ہے کہ جو روایت موقوف ہے وہ بھی بمنزلہ مرفوع ہے، جیسا کہ علامہ شوکانیؒ اور علامہ ظفر احمد عثمانیؒ کے حوالے سے گذر چکا ہے، لیکن جب فی الواقع وہ صحابی بھی مرفوع روایت کر رہے ہیں، تو اس احتمالی بحث کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

دوسری تطبیق:

مرفوع اور موقوف روایات کے درمیان تطبیق کی ایک صورت یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں روایات حضرت لہجاءؓ کی قرار دی جائیں اور یہ کہا جائے کہ حضرت لہجاءؓ کبھی مرفوع روایت کرتے ہیں اور کبھی موقوفہ، واللہ اعلم۔

....

(۲) حدیث لہجاءؓ کا اسنادی حکم

حدیث لہجاءؓ کا اسنادی حکم کیا ہے؟ پچھلے صفحات میں متفرق مقامات پر جلیل القدر محدثین کے اقوال اس بارے میں گذر چکے ہیں، البتہ یہاں کس قدر تفصیل کے ساتھ اس روایت کا اسنادی حکم واضح کیا جاتا ہے، اس کے راویوں کے حالات کتب جرح و تعدیل سے نقل کئے جاتے ہیں، تاکہ پوری وضاحت کے ساتھ یہ معلوم ہو جائے کہ اصولی حدیث کی زو سے اس کا کیا حکم بنتا ہے۔

امام یحییٰ بن معینؒ کی روایت کے مطابق اس روایت میں چار راوی ہیں:

(۱) مبشر بن اسماعیل طبریؒ

(۲) عبد الرحمن بن العلاء بن لہجاءؓ

(۳) عطاء بن لہجاءؓ

(۴) حضرت لہجاءؓ

اب ترتیب وار ان کے حالات ملاحظہ فرمائیں:

(۱) مبشر بن اسماعیل طبریؒ

یہ تابعین میں سے ہیں، ۲۰۰ھ میں ان کا انتقال ہوا، اور صحابہؓ سے کے راوی ہیں، امام یحییٰ بن معینؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام ابن سعدؒ، امام ابن حبانؒ کے نزدیک یہ ثقہ ہیں،

جبکہ امام ابن قانع نے ان کو ضعیف کہا ہے، لیکن علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ یہ جرح بلیغ وکیل کے ہے۔^(۱)

(۲) عبد الرحمن بن العلاء بن الجلاح

یہ اس روایت کے مرکزی راوی ہیں، اس لئے تفصیل کے ساتھ اس کے بارے میں لکھا جاتا ہے۔

۱- امام بیہقی بن معین متوفی (۳۳۲ھ) ۲- امام احمد بن حنبل متوفی (۲۴۱ھ) ۳- امام بخاری متوفی (۲۵۶ھ) ۴- امام ابو زرعہ رازی متوفی (۲۶۳ھ) ۵- امام ابو حاتم رازی متوفی (۲۷۷ھ) ۶- امام ترمذی متوفی (۲۷۹ھ) نے عبد الرحمن بن العلاء بن الجلاح کے بارے میں کوئی جرح نہیں کی ہیں، بلکہ سکوت اختیار کیا ہے، اس اہمال کی تفصیل درج ذیل ہے:

عبد الرحمن بن العلاء اور امام بیہقی بن معین:

۱- امام بیہقی بن معین کے متعلق "پارہ بیہقی بن معین" کے حوالے سے گذر چکا ہے، کہ ان کے شاگرد امام دوری نے ان سے قبر کے پاس قرآن پڑھنے سے متعلق پوچھا، تو انہوں نے جواز کے بارے میں حضرت الجلاح کی یہ حدیث بیان کی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبد الرحمن بن العلاء ان کے نزدیک قابلِ جہت ہیں، اگرچہ یہاں توثیق کی تصریح تو نہیں ہے، البتہ سکوت سے ضحیٰ توثیق معلوم ہو رہی ہے، ان کے الفاظ ملاحظہ ہو:

«وسألت يحيى بن معين فحدثني بهذا الحديث».^(۱)

(۱) ملاحظہ ہو: «تہذیب التہذیب» ۱۰/ ۲۹، «میزان الاعتدال» ۳/ ۴۳۳.

عبد الرحمن بن العلاء اور امام احمد بن حنبل:

۲- امام احمد بن حنبل کا واقعہ بھی پہلے گذر گیا ہے کہ ان کے سامنے عبد الرحمن بن العلاء کی روایت امام محمد بن قدامہ جوہری نے حدیث سنائی، تو آپ نے اس پر کوئی جرح نہیں کی، بلکہ اس کی روایت کو قابلِ جہت جانا، اور اس کے موافق عمل کرنے کا حکم دیا (اس واقعہ کی اسنادی حیثیت الگ سے آگے آجائے گی)۔

عبد الرحمن بن العلاء اور امام بخاری:

۳- امام بخاری نے بھی عبد الرحمن بن العلاء کا تذکرہ اپنی کتاب «تاریخ کبیر» میں کیا ہے، اور کسی قسم کی جرح نہیں کی ہے، چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں:

«عبد الرحمن بن العلاء بن اللجلاج روى عن أبيه، روى عنه مبشر».^(۱)

عبد الرحمن بن العلاء اور امام ابو زرعہ رازی:

۴- اسی طرح امام ابو زرعہ رازی نے بھی عبد الرحمن بن العلاء کا تذکرہ کیا ہے اور کسی قسم کی جرح نہیں کی ہے، چنانچہ ان کے مابین شاگرد امام ترمذی نے ان سے ان کے متعلق دریافت کیا، تو انہوں نے جواب میں صرف اتنا فرمایا کافی سمجھا "کہ یہ حضرت الجلاح کے پوتے ہیں" اور ان کے بارے میں کوئی جرح نہیں کی۔ ملاحظہ ہو:

(۱) تاریخ یحییٰ بن معین ۲/ ۳۷۹.

(۲) التاريخ الكبير ۵/ ۳۳۶ (۱۰۶۸).

«سألت أبا زرعة عن هذا الحديث قلت: مَنْ عبد الرحمن بن العلاء؟ قال: هو ابن العلاء بن اللجلاج، وإنها أعرفه من هذا الوجه»^(۱)

عبد الرحمن بن العلاء اور امام ابو حاتم رازیؒ

۵- اور امام ابو حاتم رازیؒ نے بھی عبد الرحمن بن العلاء کا تذکرہ کیا ہے اور کسی قسم کی جرح نہیں کی، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

«عبد الرحمن بن العلاء بن اللجلاج كان يسكن حلب، روى عن أبيه، روى عنه مبشر بن إسماعيل الحلبي، سمعتُ أبي يقول ذلك»^(۲)

عبد الرحمن بن العلاء اور امام ترمذیؒ

۶- امام ترمذیؒ کی رائے امام ابو زرہ رازیؒ کی رائے کے ضمن میں گزر چکی ہے، صحاح ستہ میں سے صرف ترمذی شریف میں عبد الرحمن بن العلاء کی ایک روایت ہے، وہ روایت یہ ہے:

«حدثنا الحسن بن الصباح البزار، أخبرنا مبشر بن إسماعيل الحلبي، عن عبد الرحمن بن العلاء بن اللجلاج، عن أبيه، عن ابن عمر

(۱) سنن الترمذی ۳/ ۳۰۰ (۹۸۰) کتاب الجنائز، باب شدة الموت.

(۲) الجرح والتعديل ۵/ ۲۷۲.

عن عائشة قالت: ما أغبط أحدًا بيون موت بعد الذي رأيته من شدة موت رسول ﷺ.

سألت أبا زرعة عن هذا الحديث قلت: مَنْ عبد الرحمن بن العلاء؟ قال: هو ابن العلاء بن اللجلاج، وإنها أعرفه من هذا الوجه»^(۱)

امام ترمذیؒ نے بھی حدیث اسی سند کے ساتھ اپنی کتاب «الشقائق» میں بھی ذکر کی ہے، اور علامہ ابو زرہ رازیؒ کا یہ کلام ذکر کیا ہے۔^(۲)

علامہ عبد الرحمن مبارکپوریؒ کا حوالہ:

(۱) سنن الترمذی ۳/ ۳۰۰ (۹۸۰) کتاب الجنائز، باب شدة الموت.

(۲) ملاحظہ ہو: «الشقائق المحمدية» ص ۳۳۰-۳۳۱.

عاطی قاریؒ "شقائق ترمذی" کی شرح میں لکھتے ہیں:

«قال أبو عيسى سألت أبا زرعة) وهو من أكابر مشايخ الترمذی والعمدة في معرفة الرجال عند المحدثين. (فقلت له من عبد الرحمن بن العلاء؟ من استفهامية، وقوله (هذا) أي المذكور في السند المسطور، وإنها استفهم عنه فإن عبد الرحمن بن العلاء متعبدٌ بين الرواة. (قال هو عبد الرحمن بن العلامين للنجلاج) بجيمين وجرّ الين الثاني ويقال: إنه أخو خالد ثقة من الرابعة. (جمع الوصائل ۲/ ۲۰۷).

یہاں امام ترمذی نے امام ابو زرعہ رازی کی تحقیق ذکر کر کے اس پر سکوت اختیار کیا ہے۔ البتہ ترمذی شریف کے شارح علامہ عبد الرحمن مبارکپوری نے اس مقام پر عبد الرحمن بن العلاء کے بارے میں حافظ ابن حجر کا قول "قبول" نقل کیا ہے اور اس کے بعد یہ لکھا ہے کہ "امام ترمذی نے اس روایت کے بارے میں صحت یا ضعف کا کوئی حکم نہیں لگایا، لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ روایت حسن درجے کی ہے"۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

«قوله: وإنا أعرفه من هذا الوجه» لم يحمل عليه بشيء من الصحة والضعف، والظاهر أنه حسن.^(۱)

علامہ منہذی کا حوالہ:

یہاں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس سے بھی ایک قیمتی حوالہ مل گیا۔ علامہ منہذی متوفی ۶۵۶ھ نے اپنی مشہور کتاب «الترغیب والترہیب» میں عبد الرحمن بن عطاء کی اس مذکور بالا سند سے ایک روایت نقل کی ہے، اور انہوں نے اس سند کو «لابأس به» سے تعبیر کیا ہے، یعنی یہ سند ضعیف ہے، اس کی سند پر کوئی اعتراض نہیں ہے، یہ ایک قدیم امام فن کی بات مجھے بہت غیر مظان سے مل گئی، ان کی عبارت ملاحظہ ہو:

«وعن اللجلج قال: ما ملأت بطني طعاما منذ أسلمت مع رسول الله ﷺ. أكل حسبي وأشر ب حسبي يعني قوتي. رواه الطبرانی

(۱) تحفة الأحوذی شرح سنن الترمذی ۵۶/۴.

بإسناد لا بأس به، والبيهقي. وزاد وكان قد عاش مئة وعشرين سنة،
حسین فی الجاہلیۃ وسبعین فی الإسلام»^(۱)

یہاں بھی یہ بات ملحوظ رہے کہ علامہ البانی کی تحقیق سے جو «الترغیب والترہیب» چھپی ہے اس میں انہوں نے اپنی روایتی تحقیق کی بنیاد پر اس کو ضعیف قرار دیا ہے، جبکہ ایک قدیم امام فن کی تحقیق کے مطابق اس کی سند ضعیف ہے، علامہ البانی کی اس طرز کو علماء حدیث نے ان پر عیب قرار دیا ہے، کہ وہ احمد حنفی کی احکامات کی پیروی نہیں کرتے۔ علامہ البانی کی اس تحقیق کے بارے میں مزید بحث آگے آئے گی۔

راوی کے بارے میں احمد جرح و تعدیل کا سکوت توثیق ہے یا نہیں؟

یہاں یہ بحث باقی رہتی ہے کہ جس راوی کے بارے میں احمد جرح و تعدیل نے سکوت اختیار کیا ہو، اور اس کے بارے میں کوئی جرح ثابت نہ ہو، تو اس کا حکم کیا ہو گا؟ ہمارے زیر بحث راوی عبد الرحمن بن العلاء کے بارے میں بھی یہی صورت حال ہے۔

علامہ عبد الستار ابو ندوہ کی تحقیق:

اس اصولی مسئلہ کے بارے میں سب سے پہلے علامہ عبد الستار ابو ندوہ نے بڑی تفصیل کے ساتھ «الرفع والتکمیل» کی تعلیقات میں گفتگو کی ہے، طویل تحقیق کے بعد انہوں نے اس بارے میں جو نتیجہ نکالا ہے، وہ یہ ہے کہ: «جس راوی کے بارے میں

(۱) الترغیب والترہیب ۱۰۱/۳، الترہیب من الإمعاء فی الشیخ، کتاب الطعام، تحقیق ابراہیم شمس الدین، وص ۸۳۴ بتحقیق الألبانی.

ائمہ جرح و تعدیل نے سکوت اختیار کیا ہو، اور اس کے بارے میں کوئی جرح ثابت نہ ہو، اگر اس راوی کی روایت منکر (نقد راویوں کی روایت کے خلاف) نہ ہو، تو ائمہ جرح و تعدیل کا سکوت اس راوی کی توثیق کو بھی جائے گی۔

ان کے الفاظ یہ ہیں:

«سکوت المتکلمین فی الرجال عن الراوی الذی لم یجرح، ولم یأت بمنکر: یُعَدُّ توثیقاً له»^(۱)

اور دوسری جگہ لکھتے ہیں:

«إذا علم هذا كله، انضحت وجاهة ما أثبت من أن مثل البخاري، أو أبي زرعة، أو أبي حاتم، أو ابن يونس المصري الصديقي، أو ابن حبان، أو ابن عدي، أو الحاکم الكبير أبي أحمد، أو ابن التجار البغدادي، أو غيرهم ممن تكلم أو ألف في الرجال، إذا سكتوا عن الراوی الذی لم یجرح ولم یأت بمنکر: یُعَدُّ سکوتهم عنه من باب التوثیق والتعديل، ولا یُعَدُّ من باب التجريح والتجهيل، ويكون حديثه صحيحاً أو حسناً أو لا یُنزل عن درجة الحسن؛ إذا سلم من المغامز، والله تعالیٰ اعلم»^(۲)

علامہ عبد الفتاح ابو نعیم کی تحقیق کی تائید معاصر اہل فن سے:

(۱) الرفع والتکمیل فی الجرح والتعديل ص ۲۳۰.

(۲) الرفع والتکمیل فی الجرح والتعديل ص ۲۴۶.

علامہ عبد الفتاح ابو نعیم کی اس تحقیق کی ان محقق علماء نے تسلیم کی ہیں، جو اصول حدیث میں تحقیقی اور تنقیدی مطالعہ کے حامل ہیں، وہ حضرات یہ ہیں: علامہ محمد عبد الرشید نعمانی، علامہ حبیب الرحمن اعظمی، علامہ عبد اللہ غفاری، علامہ اسماعیل انصاری، مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ۔^(۱)

عبد الرحمن بن العلاء اور علامہ ابن حبان:

سب سے پہلے علامہ ابن حبان متوفی (۳۵۳ھ) نے عبد الرحمن بن العلاء کی توثیق کی ہے، چنانچہ انہوں نے ان کو اپنی کتاب "الثقات" میں ذکر کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

«عبد الرحمن بن العلاء بن اللجلاج من أهل الشام، يروي عن أبيه، روى عنه مبشر العامري الشامي»^(۲)

اور اس بنا پر علامہ حری متوفی (۴۳۴ھ) اور حافظ ابن حجر متوفی (۸۵۴ھ) عبد الرحمن بن العلاء کے ترجمہ میں لکھتے ہیں: "ان کو علامہ ابن حبان نے کتاب "الثقات" میں ذکر کیا ہے۔" ان کے الفاظ یہ ہیں:

«ذكره ابن حبان في الثقات»^(۳)

علامہ ابن حبان کی ایک خاص اصطلاح اور اس کی تفسیر:

(۱) ملاحظہ ہو: الرفع والتکمیل فی الجرح والتعديل ص ۲۴۷.

(۲) الثقات ۹۰/۷.

(۳) تهذيب الكمال ۲۳۲/۱۷، تهذيب التهذيب ۲۲۳/۶.

اہل علم سے یہ بات مخفی نہیں کہ راویوں کی ثقاہت سے متعلق علامہ ابن حبان کی بعض خاص اصطلاحات ہیں، جن کی بنا پر وہ راویوں کی توثیق کرتے ہیں، ان میں سے ایک اصطلاح ان کی یہ ہے کہ اگر ایک راوی سے متعلق کوئی جرح ثابت نہ ہو، تو وہ راوی ان کے نزدیک ثقہ ہے۔ اس بات کو انہوں نے اپنی کتاب "الثقات" کے مقدمہ میں ذکر کیا ہے، ملاحظہ ہو:

«العدل: من لم يعرف منه الجرح، ضدّ التعديل، فمن لم يُجرح فهو عدل إذا لم يبين ضده إذ لم يكلف الناس من الناس معرفة ما غاب عنهم، وإنها كُلفوا الحكم بالظاهر من الأحكام غير المغيب عنهم»^(۱)

علامہ ابن حبان کی اصطلاح کی تفسیر عراقیؒ سے:

اس موقع پر ایک اور علمی بحث ہے کہ جن راویوں کی علامہ ابن حبان کے علاوہ کسی اور نے توثیق نہیں کی، ان کے بارے میں کیا رائے اختیار کی جائے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس بحث سے متعلق علامہ عراقیؒ کا وہ جواب نقل کیا جائے، جو انہوں نے اپنے شاگرد علامہ ابن حجرؒ کے اس مسئلے سے متعلق دریافت کرنے پر تفصیل کے ساتھ ارشاد فرمایا تھا، سوال وجواب کی مکمل عبارت ملاحظہ ہو:

«ما يقول سيدي في أبي حاتم ابن حبان إذا انفرد بتوثيق رجل لا يعرف حاله إلا من جهة توثيقه له، هل ينهض توثيقه بالرجل إلى

درجة من يحتج به؟ وإذا ذكر ذلك الرجل بعينه أحد الحفاظ كأبي حاتم الرازي بالجھالة، هل يرفعها عنه توثيق ابن حبان له وحده، أم لا؟

فأجاب العراقي: قوله: إن الذين انفرد ابن حبان بتوثيقهم لا يخلو: إما أن يكون الواحد منهم لم يروعه إلا راو واحد. أو روى عنه اثنان ثقتان وأكثر، بحيث ارتفعت جهالة عينه. فإن كان روى عنه اثنان ثقتان وأكثر، وثقته ابن حبان ولم نجد لغيره فيه جرحا فهو ممن يحتج به. وإن وجدنا لغيره فيه جرحا مفسرا فالجرح مقدم. وقد وقع لابن حبان جماعة ذكرهم في الثقات وذكرهم في الضعفاء، فينظر أيضا إن كان جرحه مفسرا فهو مقدم على توثيقه. فأما من وثقهم ولا يعرف للواحد منهم إلا راو واحد فقد ذكره ابن القطان في كتابه «بيان الوهم والإيهام» أن من لم يرو عنه إلا واحد وثقّه، فإنه تزول جهالته بذلك. وذكر ابن عبد البر أن من لم يرو عنه إلا واحد، وكان معروفا في غير حمل العلم، كالشجدة والشجاعة والزهد، احتج به. وأما إذا تعارض توثيق ابن حبان بتجهيل أبي حاتم الرازي لمن وثقه: فمن عرف حال الراوي بالثقة مقدم على من جهل حاله، لأن من عرف، معه زيادة علم، لكن ابن حبان منسوب إلى التساهل في التصحيح والتوثيق، لكنه أرفع

درجة من الاحكام. قال أبو بكر الحازمي: وابن حبان أمكن في الحديث من الاحكام.^(۱)

(ترجمہ): ”کیا فرماتے ہیں میرے شیخ درج ذیل مسئلہ کے بارے میں، کہ جہاں علامہ ابو حاتم ابن حبان کسی ایسے راوی کی توثیق کے بارے میں متذکر ہو، جس کے بارے میں ان کی توثیق کے علاوہ کچھ معلوم نہ ہو، کیا ان کی توثیق سے وہ راوی اس درجے تک متعلق جاتا ہے کہ اس سے استدلال کیا جاسکے؟ اور اگر نہیں اسی راوی کو علامہ ابو حاتم رازنی جہالت کے ساتھ ذکر کریں، تو کیا اکیلے علامہ ابن حبان کی توثیق سے اس راوی کی جہالت ختم ہو جائے گی یا نہیں؟ علامہ عراقی نے اس کے جواب میں فرمایا: جن راویوں کی توثیق میں علامہ ابن حبان منظر ہوں، اس کی وہ صورتیں ہیں، یا تو وہ راوی ایسا ہو گا جس سے صرف ایک راوی نے روایت کی ہو، یا اس سے دو ثقہ یا دو سے زائد ثقہ راویوں نے روایت کی ہو، جس سے اس کی جہالت یا نفس ختم ہو جائے۔ اگر اس سے دو ثقہ یا دو سے زیادہ ثقہ راویوں نے روایت کی ہو، اور ابن حبان نے ایسے راوی کی توثیق کی ہے، اور ابن حبان کے علاوہ کسی اور محدث نے اس پر جرح نہ کی ہو، تو یہ راوی قابلِ جہت ہو گا۔ اور اگر ابن حبان کے علاوہ کسی اور محدث نے اس پر جرح مفسر کی ہے، تو پھر یہ مفسر جرح ابن حبان کی توثیق پر مقدم ہو گی، ایسا ابن حبان کے ساتھ بہت ہوا ہے کہ انہوں نے بہت سے راویوں کو ”ثقات“ میں بھی ذکر کیا ہے، اور پھر ان کو ”ضعفاء“ میں بھی درج

کیا ہے، لہذا اس صورت میں دیکھا جائے گا اگر ابن حبان کی جرح مفسر ہے، تو پھر ان کی جرح ان کی توثیق پر مقدم ہو گی۔ اور جن راویوں کی توثیق ابن حبان نے کی ہو، اور ان سے روایت کرنے والا فقط ایک ہو، تو علامہ ابن النظار نے اپنی کتاب ”بیان الوہم والإیہام“ میں ذکر کیا ہے کہ جس سے روایت کرنے والا فقط ایک ہو، اور اس کی توثیق کی گئی ہو، تو اس سے اس راوی کی جہالت ختم ہو جاتی ہے۔ اور علامہ ابن عہد المرزے نے ذکر کیا ہے کہ جس سے روایت کرنے والا فقط ایک ہو، اور وہ علم کے علاوہ کسی اور فن میں مشہور ہو، جیسے دلیری، بہادری اور زہد وغیرہ، تو وہ راوی قابلِ جہت ہو گا۔ اور اگر ابن حبان کی توثیق اور ابو حاتم رازنی کی تجلیل کا تعارض ہو جائے، تو یہاں جو محدث راوی کی ٹھہرت کا علم رکھتا ہے وہ مقدم ہو گا اس پر جو راوی کے حال سے ناواقف ہے؛ کیونکہ جو راوی کو جانتا ہے اس کے پاس زیادہ علم ہے، تاہم ابن حبان کو صحیح اور توثیق میں تساہل کی طرف منسوب کیا گیا ہے، حالانکہ وہ امام حاکم سے ایک درجہ بلند ہیں، علامہ ابو بکر حازمی فرماتے ہیں: علامہ ابن حبان علم حدیث میں امام حاکم سے زیادہ قادر ہیں۔“

علامہ عراقی کی مذکورہ بالا تحقیق علامہ ابن حبان کے اصطلاحات کے حوالے سے بہت قیمتی ہے، جس کی روشنی میں علامہ ابن حبان کے خاص اصطلاحات کے متعلق ہمارے لئے حکم لگانا آسان ہو جاتا ہے، اس کے علاوہ علامہ عراقی نے غلطی سے، نہایت انصاف کے ساتھ علامہ ابن حبان کے حوالے سے گفتگو کی ہے، انہوں نے مختصراً یہ طریقہ اختیار نہیں کیا کہ علامہ ابن حبان قابل ہیں، لہذا ان کا اعتبار نہیں۔“

(۱) أجوبة الحافظ العراقي على أسئلة تلميذه الحافظ ابن حجر العسقلاني
ص ۱۳۶-۱۴۱، بحوالہ مقدمة ”مصنف ابن أبي شيبة“ للعلامة محمد
عوامہ ۸۲/۱.

علامہ ابن حبانؒ کے بارے میں غیر متعلقہ روایت:

افسوس کہ اس بارے میں علامہ البانیؒ اور ان کی اتباع میں ان کی سچ پر چلنے والے موجودہ بعض حضرات انصاف سے کام نہیں لیتے، اور جلدی سے ایسے راویوں کے متعلق فرماتے ہیں کہ علامہ ابن حبانؒ کی توثیق کا اعتبار نہیں؛ کیونکہ وہ متباہل ہیں۔ چنانچہ اس موقع پر بھی علامہ البانیؒ نے عبد الرحمن بن العلاء کے بارے میں یہی لکھا ہے:

«وأما توثيق ابن حبان إياه فمما لا يعتد به لما اشتبه به من التساهل في التوثيق»^(۱)

لیکن اگر علامہ عراقیؒ کی مذکورہ بالا تحقیق کو دیکھیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ یہاں علامہ ابن حبانؒ کی توثیق کا اعتبار ہے؛ کیونکہ عبد الرحمن بن العلاء سے روایت کرنے والے صرف ایک راوی مبشر طبریؒ ہیں، جو ثقہ ہیں، اور کسی محدث نے اس پر جرح بھی نہیں کی ہے، لہذا یہاں علامہ ابن حبانؒ کی توثیق کا اعتبار ہو گا، اس کے علاوہ عبد الرحمن بن العلاء بن لہلاج، صحابی رسول حضرت لہلاجؒ کے پوتے ہیں، اور ان کے والد صحابی رسول حضرت لہلاجؒ کے بیٹے ہیں اور حضرت ابن عمرؓ کے شاگرد ہیں، لہذا ان کی خاندان علم و فضل سے نسبت کی اضافی غریبی سے بھی ان کی ثقاہت کی تائید ہوتی ہے، جیسا کہ علامہ ابن عبد البرؒ کے حوالے سے گزر گیا کہ ایسے راوی کی اضافی شہرت سے بھی اس کی ثقاہت ثابت ہو جاتی ہے۔

علامہ سقاویؒ اور علامہ ابن حبانؒ کی توثیق:

یہاں اس موضوع سے متعلق علامہ سقاویؒ [۱۸۳۹ھ/ ۱۹۰۲ء] کا حوالہ بھی قائمہ سے خالی نہیں ہو گا، موصوف کا شاعر خاص طور پر علم حدیث کے ماہر علماء میں ہوتا ہے، ان کو اپنے استاد حافظ ابن حجرؒ سے علم حدیث کا دافر حصہ حاصل ہوا تھا، اصول حدیث، تخریج احادیث اور علم تاریخ میں ان کی خدمات بے حد قیمتی ہیں۔ چنانچہ وہ راوی جس سے صرف ایک ثقہ راوی روایت کرے، اور اس کے بارے میں کوئی جرح ثابت نہ ہو، صرف علامہ ابن حبانؒ نے اس کو ثقاہت میں ذکر کیا ہو، علامہ سقاویؒ کے نزدیک بھی اس کی حدیث حسن درجے کی ہوتی ہے، موصوف "القول البدیع" میں ایک ایسے ہی راوی سعید بن عبد الرحمن کی حدیث کی تخریج کرتے ہوئے اسے حسن کا درجہ دیا ہے، فرماتے ہیں:

«وهو حديث حسن، ورجاله رجال الصحيح، لكن فيهم سعيد بن عبد الرحمن مولى آل سعيد بن العاص الراوى له عن حنظلة، وهو مجهول لاتعرف فيه جرحا ولا تعديلا، نعم، ذكره ابن حبان في «الثقات» على قاعدته»^(۱)

شیخ محمد عوامہ مدظلہ نے اس کی تحقیق میں مزید تفصیل بیان کی ہے، ملاحظہ ہو:

«أى: في توثيق من لم يذكر بجرح، كما سيأتي في كلام المصنف ص ۲۴۷، وكما عبر المصنف نفسه في «المقاصد الحسنة» (۸۸) عند حديث: «ارحوا من في الأرض»، وأنت ترى أن المصنف حسن

(۱) القول البدیع ص ۱۱۲.

(۱) أحكام الجنائز ص ۱۹۲.

الحديث هنا اعتيادا على ذكر ابن حبان لسعيد في «ثقافته»، وقارن كلام المصنف هذا بكلام شيخه ابن حجر في «الفتح» ۱۱: ۱۵۹، فإنه أخذ منه كلامه إلى قوله وهو مجهول وزاد عليه تفسيره للجبال، وزاد عليه قوله وهو حديث حسن. وما ينبغي التنبيه إليه أيضا أن ابن حبان ذكر سعيدا هذا في «ثقافته» ۶: ۹۶۸، وقال: «روى عنه إسحاق بن سليمان الرازي» ولم يذكر غيره، كما لم يذكر غيره المزي وتابعوه في ترجمته، ومع ذلك حسن المصنف - وهو الحافظ الناقد - حديثه هذا، كما ترى. فالأحكام التي قاله المعلمي في «التنكيل» الترجمة ۲۰، في حق من يوثقه ابن حبان وتويع عليها: غير منضبطة ولا تتفق مع أحكام علمائنا السابقين، وهذه إشارة عابرة فتأمر وتدبر، وللتفصيل مجال آخر إن شاء الله، وقد سره الله تعالى، وله الحمد، فانظر ص ۷۷-۱۰۱ من المقدمة التي كتبت لمصنف ابن أبي شيبة رحمه الله، وقد زدت عليها شيئا وألحقها بالطبعة الثانية من دراسات «الكاشف» والحمد لله.^(۱)

علامہ محمد عوامہ اور علامہ ابن حبان کی توثیق:

علامہ محمد عوامہ رحمہ اللہ تعالیٰ زمانہ حاضر کے محقق محدث ہیں۔ علم حدیث، اصول حدیث میں ان کی خدمات نہایت قابل قدر ہیں، ان کی تحقیقات بہت دقیق اور برسوں کی محنت کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ علامہ ابن حبان کی توثیق و احکامات کے دفاع میں انہوں نے بڑی کوشش کی ہے، پچھلے صفحات میں ان کی متعدد عبادتیں گزر چکی ہیں، یہاں ان کی ایک اور

(۱) تعلیق «القول البدیع» ص ۱۱۲-۱۱۳.

عبادت ذکر کی جاتی ہے جس میں انہوں نے اپنی تحقیق کا خلاصہ یوں نقل کیا ہے، کہ جس راوی کے بارے میں کوئی جرح و جہت نہ ہو، علامہ ابن حبان کی توثیق اس کے بارے میں قبول کی جائے گی، چنانچہ موصوف لکھتے ہیں:

«وكنت قوت في دراسة «الكاشف»: أن توثيق ابن حبان لمن لم يطعن فيه جدير بالقبول. وزدت ذلك بيانا وتأصيلا في مقدمة لمصنف ابن أبي شيبة ص ۷۷-۱۰۱، وسألحقه إن شاء الله بمقدمة الطبعة الثانية لـ «الكاشف».^(۲)

علامہ ذہبی اور عبد الرحمن بن العلاء:

علامہ ذہبی متوفی (۳۸۵ھ) نے عبد الرحمن بن العلاء کا تذکرہ اپنی کتاب «میزان الاعتدال» میں کیا ہے، ملاحظہ ہو:

«[۴۹۲۵] عبد الرحمن بن العلاء بن الملاج شامي، عن أبيه، ماروى عنه سوى مبشر بن إسماعيل الحلبي».^(۳)

علامہ ابیانی کے نزدیک عبد الرحمن بن العلاء مجهول راوی ہے، انہوں نے اس بارے میں علامہ ذہبی کے اس قول کو: «عبد الرحمن بن العلاء سے روایت کرنے والا صرف ایک راوی ہے» سے بھی استدلال کیا ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

(۲) مقدمة تقريب التهذيب ص ۱۴.

(۳) ميزان الاعتدال ۵۷۹/۲، الكاشف ۱/۹۳۶.

«لأن عبدالرحمن بن العلاء بن اللجلاج معذور في المجهولين، كما يشعر بذلك قول الذهبي في ترجمته من «الميزان»: «ما روى عنه سوى مبشر هذا»^(۱)

علامہ ابہائی سے پہلے علامہ برہان الدین ابوالوفاء ابراہیم بن محمد بن اقلیل معروف بسید بن النجی متوفی (۸۴۱ھ) نے بھی علامہ ذہبی کی اس مہارت کی بنا پر یہی نتیجہ نکالا ہے کہ عبدالرحمن بن العلاء مجہول ہے، ان کی مہارت ملاحظہ ہو:

«عبدالرحمن بن العلاء بن اللجلاج شامي عن أبيه، وعنه إساعيل، ذكره ابن حبان في «الثقات» كما رأيت فيها ولم يذكر عنه راوي إلا مبشر بن إساعيل. وقد ذكره الذهبي في «الميزان» وقال: ما روى عنه غير مبشر بن إساعيل، يعني فهو مجہول العين. وقد تقدم مرارا أن مجہول العين ضعيف وهو من لم يرو عنه عدلان وكذا مجہول الحال ضعيف»^(۲)

لیکن درست اور احتیاط کی بات یہ ہے کہ علامہ ابن حبان کی ثقاہت کا اعتبار کر کے ان کو ثقہ قرار دیا جائے، جیسا کہ کئی ائمہ فہم نے یہ قرار دیا ہے۔

(۱) أحکام الجنائز ص ۱۹۲.

(۲) نہایۃ السؤل فی رواۃ السنۃ الأصول ۵/ ۱۵۶۲.

حافظ ابن حجرؒ اور عبدالرحمن بن العلاء:

حافظ ابن حجرؒ نے عبدالرحمن بن العلاء کا تذکرہ اپنی تین کتابوں میں کیا ہے: «تہذیب التہذیب»، «تقریب التہذیب»، «لسان المیزان»^(۱)، البتہ انہوں نے «تقریب التہذیب» میں ان کے بارے میں جو علامہ اور نتیجہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں، وہ یہ ہیں:

«عبدالرحمن بن العلاء بن اللجلاج بجيمين مقبول من السابعة»^(۲)

حافظ ابن حجرؒ کے نزدیک عبدالرحمن بن العلاء «مقبول» درج کا ہے، ان کے نزدیک مقبول درج کس راوی کا ہوتا ہے؟ اس کے بارے وہ خود اس کتاب کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

«السادسة: من ليس له من الحديث إلا القليل، ولم يثبت فيه ما يترك حديثه من أجله، وإليه الإشارة بلفظ مقبول، حيث لم يتابع، وإلا قلبن الحديث»^(۳)

(۱) ملاحظہ ہو: «تہذیب التہذیب» ۶/ ۲۲۳، «تقریب التہذیب» ۱/ ۵۸۵، «لسان المیزان» ۳/ ۲۲۰.

(۲) تقریب التہذیب ۱/ ۵۸۵.

(۳) مقدمة تقریب التہذیب ص ۷۵.

(ترجمہ) ”چٹا مریہ: جس راوی کی روایت کردہ احادیث کی تعداد کم ہو، اور اس راوی سے متعلق کوئی ایسی جرح بھی ثابت نہ ہو جس کی وجہ سے اس کی حدیث چھوڑی جائے، ایسے راوی کی طرف لفظ ”مقبول“ سے اشارہ کیا جائے گا، یعنی جب اس کا متابع ہو (تو پھر یہ مقبول ہو گا)، اور اگر اس کا متابع نہ ہو، تو پھر یہ لین الحدیث (یعنی ضعیف الحدیث) ہو گا۔“

حافظ ابن حجر کی اصطلاح ”مقبول“ کی تشریح:

حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب ”تقریب التہذیب“ میں بعض خاص اصطلاحات کا استعمال کیا ہے، جو ان کی صرف اس کتاب میں عادت ہے، دیگر کتابوں میں ان کی یہ عادت نہیں، ان میں سے ایک لفظ مقبول کا استعمال بھی ہے، مقدمہ میں حافظ ابن حجر نے اس کی جو وضاحت کی ہے وہ یہ ہے کہ حافظ ابن حجر یہ الفاظ ان کے لیے لکھیں گے جن مذکورہ تین باتیں موجود ہوں: (۱) اس سے کم احادیث مروی ہوں (۲) اس پر کوئی جرح ثابت نہ ہو (۳) حدیث بیان کرنے میں متقدم نہ ہو۔

اس قاعدے کے مطابق حافظ ابن حجر ”مقبول“ ہے، اور جس راوی میں پہلے کی دو شرائط تو ہوں اور آخری شرط نہ ہو تو وہ لین الحدیث ہو گا، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے ولید بن زوران کے بارے میں ”لین الحدیث“ لکھا ہے۔

حافظ ابن حجر کے اس قاعدہ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جس راوی کے بارے میں حافظ ابن حجر نے ”مقبول“ کا لفظ استعمال کیا ہے، اس کی روایتوں کے بارے میں ہم دیکھیں گے کہ اگر اس کا متابع ہے تو اس کو قبول کریں گے، ورنہ وہ لین الحدیث ہو گا۔ بلکہ حافظ ابن حجر نے خود عملی طور پر ایسے راویوں کی روایتوں کا جائزہ لیا ہے، اور

حقیقت حال جاننے کے بعد اس راوی کے بارے میں ایک فیصلہ دیا ہے، کہ یہ وہ راوی ہے جو مقبول ہے، کیونکہ اس کی روایات کے متابع ہیں، اور یہ راوی ”لین“ ہے، کیونکہ اس راوی کی روایات کے متابع وجود نہیں۔

حافظ ابن حجر کے اس قاعدے کے اس تخریج کے علاوہ اور کوئی تخریج مشکل ہے، کیونکہ عملی طور پر انہوں نے کسی ایک راوی کے بارے میں مقبول کا لفظ استعمال کیا ہے، اور کسی کے لیے لین استعمال کیا ہے۔ اگر حافظ ابن حجر نے یہ حکم قرار نہیں کے ہر در کتنا حق، تو پھر بعض راویوں کے لیے مقبول اور بعض کے لیے لین کے استعمال مختلف موازنات کیوں اختیار کرتے۔

یہی وجہ ہے کہ علامہ محمد عوامہ نے حافظ ابن حجر کے اس خاص اصولی منہج پر اپنے ایک خط کا اظہار کیا ہے، کہ حافظ ابن حجر کا ایک راوی کے لیے اس طرح ایک متعین حکم لگانا ایک مشکل کام ہے، ایک راوی کی تمام روایات کے بارے میں یہ کہنا کہ ان کی تمام روایات کے لیے متابع موجود ہیں، یا ان کی تمام روایات کے لیے متابع نہیں ہیں، اس کا استنباط ایک مشکل مرحلہ ہے۔^(۱)

اور ایک جگہ توشیح محمد عوامہ تحریر فرماتے ہیں:

(۱) لیکن عموماً ایسے راویوں کی روایات کم ہوتی ہیں اس لیے یہ کہا جاسکتا ہے کہ حافظ ابن حجر جیسے وسیع الطامع شخصیت کے لیے ایسے راویوں کے بارے میں یہ کہنے کی گنجائش معطوم ہوتی ہے۔

«ويزيدك الأمر غرابة أن المصنف قال عن الوليد: «وثقه ابن حبان ولم يضعفه أحد» وقد توبع، مع ذلك قال عنه: «لین الحديث» وشرطه هنا في «التقريب» عدم المتابع، وأن يكون فيه كلام لكنه لم يثبت فيه!! فلم لم يقل عنه: «مقبول»؟^(۱)

(ترجمہ) ”یہاں تعجب بالائے تعجب یہ ہے کہ خود حافظ ابن حجر ولید کے بارے میں یہ لکھتے ہیں کہ ابن حبان نے اس کی توثیق کی ہے، اور کسی نے اس پر جرح نہیں کی ہے“ اور اس کی روایت کا متابع بھی ہے، اس کے باوجود حافظ ابن حجر نے اس کے لیے «لین» کا لفظ استعمال کیا ہے، یہاں چاہیے یہ تھا کہ ان کے لیے «مقبول» کا لفظ استعمال کرتے۔“

مذکورہ بالا بحث کے بعد حافظ ابن حجر کے اصول کے مطابق عبد الرحمن بن الحلاء قبول دے کر راوی ہے، گویا ان کی حدیث کا متابع ہے، اور خود عملی طور پر بھی جب ہم دیکھیں تو حضرت عبد اللہ ابن عمر کی دوسری روایت اس کے لیے متابع ہے، اصولی لحاظ سے تو یہ شاید سنی کی، کیونکہ سند مختلف ہے اور متابع میں سند ایک ہوتی ہے جیسا کہ اصول حدیث کی کتابوں میں اس کی تفصیل موجود ہے، مگر ایک تو متابع پر شاہد اور شاہد پر متابع کا اطلاق ہوتا ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ متابع اور شاہد دونوں کا فائدہ ایک ہی ہے، کہ اس کے ذریعہ سے حدیث کو ایک جیسی تقویت حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ خود حافظ ابن حجر تحریر فرماتے ہیں:

«وقد تطلق المتابعة على الشاهد، وبالعكس، والأمر فيه سهل»^(۱)

(ترجمہ) ”بھی متابع پر شاہد اور بھی اس کے برعکس اطلاق ہوتا ہے، اور اس میں فیصلہ آسان ہے۔“

اور «الأمر فيه سهل» کے حاشیہ میں علامہ ذاکر نور الدین عتر حفظہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

«لأن المقصود التقوية، وهي حاصلة بكل منهما»^(۲)

(ترجمہ): ”کیونکہ مقصود تقویت ہے اور یہ ان دونوں سے حاصل ہوتی ہے۔“ اس کے علاوہ حافظ ابن حجر نے باقاعدہ صراحت کے ساتھ بھی اس حدیث کو قابل حجت بتلایا ہے، انہوں اس کو حسن کا درجہ دیا ہے۔ اس طرح حافظ ابن حجر کا فائدہ اور عمل دونوں ایک ہیں، حافظ ابن حجر کا یہ حوالہ علامہ ابن علان اور علامہ غباری کے حوالے سے پیچھے گزر چکا ہے، (حدیث لجان اور قبر کے پاس قرآن پڑھنے سے متعلق علامہ ابن حجر کی مزید تحقیق مذہب شافعی کے ذیل میں آئے گا)۔

(۱) نزہة النظر ص ۷۵.

(۲) نزہة النظر تحقیق الدكتور نور الدین عتر ص ۷۵.

(۱) تقریب التہذیب ۱/ ۵۸۵.

«...الثالث: أن السند بهذا الأثر لا يصح عن ابن عمر، ولو فرض ثبوته عن أحد، وذلك لأن عبد الرحمن بن العلاء بن اللجلاج معدود في المجهولين، كما يشعر بذلك قول الذهبي في ترجمته من «الميزان»: «ما روى عنه سوى مبشر هذا» ومن طريقه رواه ابن عساكر (۲/۳۹۹/۱۳).

وأما توثيق ابن حبان إياه، فمما لا يعتد به لما اشتهر به من التساهل في التوثيق، ولذلك لم يعرج عليه الحافظ في «التقريب» حين قال في المترجم: «مقبول» يعني عند المتابعة وإلا فلا «لین الحديث» كما نصّ عليه في المقدمة، وما يؤيد ما ذكرنا أن الترمذي مع تساهله في التحسين لما أخرج له حديثاً آخر (۲/۱۲۸) و ليس عنده غيره سكت عليه ولم يحسنه! (۱)

علامہ البانی ”مشکاة شریف“ کی تخریج میں حدیث لجاج کے تحت فرماتے ہیں:

«فيه عبد الرحمن بن العلاء بن اللجلاج وهو مجهول. كما تقدم (۱۵۶۳)»، (۲)

اور حدیث نمبر (۱۵۶۳) کے تحت لکھتے ہیں:

(۱) أحكام الجنائز ص ۱۹۳.

(۲) مشکاة ۱/۵۳۸.

عبدالرحمن بن العلاء اور علامہ البانی:

علامہ البانی کے نزدیک عبدالرحمن بن العلاء مجہول راوی ہے، لہذا وہ ضعیف ہے، انہوں نے اسے اس دعویٰ کے لئے علامہ ابن حجر کے لفظ ”مقبول“ سے بھی استدلال کیا ہے، کہ چونکہ اس کی روایت کے لیے متابع نہیں لہذا حافظ ابن حجر کے اصول کے مطابق عبدالرحمن بن العلاء ”لین الحديث“ ہو گیا، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

«ولذلك لم يعرج عليه الحافظ في «التقريب» حين قال في المترجم: «مقبول» يعني عند المتابعة وإلا فلا «لین الحديث» كما نصّ عليه في المقدمة. (۱)

لیکن ہم نے حافظ ابن حجر کے اس قاعدے کی تخریج بیان کر دی ہے کہ یہ راوی ان کے نزدیک مقبول ہے، الگ سے اس کے متابع دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے، حافظ ابن حجر نے تحقیق کر کے مقبول کا ہی فیصلہ کر دیا ہے۔

بندہ کے مطالعہ کے مطابق سب سے پہلے علامہ البانی نے عبدالرحمن بن العلاء کی اس روایت کے بارے میں نقد کیا ہے، پچھلے صفحات میں بھی اور آئندہ بھی ان کے اٹھائے ہوئے شبہات کے بارے میں بحث کی جائے گی، یہاں ان کی پوری مہارت نقل کی جاتی ہے۔

علامہ البانی فرماتے ہیں:

(۱) أحكام الجنائز ص ۱۹۳.

«عبدالرحمن بن العلاء بن اللجلاج: مقبول. روى له الترمذی کذا في «التقريب» (ص ۳۴۸)، وذكره ابن حبان في «الثقات» (۹۰/۷). وقال ابن شاهين: ثقة. (تاريخ أسماء الثقات ص ۲۱۸ رقم ۷۸۵).... قلت: فمن العجيب قول الألباني-تعليقاً على قول البيهقي: «والصحيح أنه موقوف عليه»: «والموقوف لا يصح إسناده، فيه عبدالرحمن بن العلاء بن اللجلاج وهو مجهول. كيف خفي على مثل الألباني حال عبدالرحمن بن العلاء، وقد أورده ابن حبان في «الثقات»، وقال ابن شاهين: ثقة، وقال الحافظ: مقبول كما تقدم، ومن عرف حجة على من لم يعرف كما قال الألباني نفسه. (الصحيحة ۱۵۴/۲ و ۲۴۳)».

بہر حال ایک تو مطبوع کتاب میں لجلاج کی تصریح نہ ہونے سے شک گذر رہا ہے، اور دوسرا یہ کہ علامہ ابن شاہین کی اس توثیق کو اگرچہ مذکورہ دو محققین نے ذکر کیا ہے، لیکن ان سے پہلے جراح و تعدیل نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے، اور یہ بات ذرا بعید معلوم ہوتی ہے کہ حنفی میں علامہ میں سے کسی کی نگاہ اس طرف نہیں گئی ہو۔ الغرض اس بات کی پوری تحقیق جب ہی ممکن ہو سکی ہے کہ کسی حنفی امام فن کا حوالہ مل جائے اور یا الثقات ابن شاہین کی کسی معتبر مخطوطے سے ہی حاصل کی جاسکتی ہے، کیونکہ موجودہ طبعیت تحقیقی نوعیت کے اعتبار سے زیادہ عمدہ نہیں، یہی وجہ ہے کہ اس کے بارے میں علامہ ذاکر نور الدین حنظلہ نے تبصرہ کیا ہے:

(۱) الآیات البینات ص ۶۷-۶۸.

«(رواه الترمذی) في سنة ۱۸۳/۱، وإسناده ضعيف، فيه عبدالرحمن بن العلاء وهو ابن اللجلاج وهو مجهول كما أشار إلى ذلك الترمذی بقوله: إنه نعرفه من هذا الوجه».

علامہ ابن شاہین اور عبدالرحمن بن العلاء

یہاں ایک ضروری بحث یہ ہے کہ علامہ ابن شاہین مولود سن ۳۹۷ھ متوفی سن ۳۸۴ھ نے «کتاب الثقات» میں عبدالرحمن بن العلاء کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ یہ ثقہ ہے، لیکن اس میں لجلاج کی تصریح نہ ہونے کی وجہ سے یہ یقینی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ یہ وہی عبدالرحمن بن العلاء بن لجلاج ہو، جو ہمارے زیر بحث ہے، اگرچہ عبدالرحمن بن العلاء کے نام سے کوئی دوسرا راوی بھی نہیں ہے، در حال کی کتابوں میں عبدالرحمن بن العلاء سے یہی مراد ہوتے ہیں، اور «ثقات ابن شاہین» کے محقق نے بھی نیچے عبدالرحمن بن العلاء بن لجلاج کا ترجمہ نقل کیا ہے»۔

بعد میں دیکھا تو معلوم ہوا کہ مولانا فیصل ندوی نے بھی ابن شاہین کے حوالے کی بناء پر عبدالرحمن بن العلاء بن لجلاج کو ثقہ قرار دیا ہے، ان کی عبارت ملاحظہ ہو:

(۱) المشكاة ۱/ ۴۹۲، کتاب الجنائز، باب عبادة المريض.

(۲) ملاحظہ ہو: «تاریخ أسماء الثقات من نقل عنهم العلم» لابن شاہین ص ۲۱۸، رقم الحديث: ۲۱۸، تحقيق عبد المعطي الفلمجی، طبع دار الكتب العلمية بيروت.

«وکتاہ الثقات مطبوع دون تدقیق»^(۱)

بہر حال ابن شائین کی توثیق کے بغیر بھی عبدالرحمن بن العلاء کے بارے میں توثیق کا قول زیادہ بہتر ہے اور اگر ابن شائین کا یہ حوالہ بھی درست ہے تو پھر تو زہب نصیب! ایک اور جرح و تعدیل کے کام کی تصریح علامہ ابن حبان کے ساتھ موافق ہوگئی، اور یوں تو پھر کوئی شک ہی باقی نہیں رہتا کہ عبدالرحمن بن العلاء ثقہ ہے۔^(۲)

عبدالرحمن بن العلاء سے روایت کرنے والا کیا ایک ہے؟

یہاں دوسری بحث یہ ہے کہ اکثر رجال کی کتابوں میں یوں لکھا ہے کہ عبدالرحمن بن العلاء سے روایت کرنے والے صرف ایک ثقہ راوی مبشر بن اسماعیل طبری ہے، لیکن "اصابہ" میں ایک روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان سے قیس راوی نے بھی روایت کی ہے، ملاحظہ ہو:

«عن قیس سمعت عبدالرحمن بن العلاء بن اللہلاج عن ابيه عن جده قال: ماملات بطني منذ اسلمت مع رسول الله ﷺ»^(۱)

لیکن صحیح یہ ہے کہ یہاں "اصابہ" کے نسخے کی غلطی ہے، قیس کی جگہ یہاں مبشر ہے، جو چھپنے میں غلط طبع ہوا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ حافظ ابن حجر نے یہ روایت خطیب بغدادی کی کتاب «المتفق والمفترق» سے نقل کی ہے، اور بندہ نے اس کتاب میں رجوع کیا تو وہاں راوی مبشر ہے۔^(۲)

اور حافظ ابن حجر کی «لسان المیزان» میں اور «غلامہ خزرجی» میں عبدالرحمن بن العلاء سے روایت کرنے والے ایک اور راوی یحییٰ بن ابی سلیم کا بھی تذکرہ ملتا ہے، چنانچہ محمد عبدالرحمن مرعشی کی تحقیق سے جو «لسان المیزان» چھپی ہے، اس میں ہے:

(۱) الإصابة فی تہذیب الصحابة ۶/۲.

(۲) المتفق والمفترق ۳/۱۸۱۶.

(۱) نزہۃ النظر، التعلیق ص ۱۴۳۔ چنانچہ اس کی مطابقت علامہ پرستعلک کتاب لکھی گئی ہے: نصوص سالقة من طبقات اسیاء الثقات لابن شایہ، الدكتور سعد الحاشمی، مکتبۃ الدار بالمدينة المنورة۔ اور مولانا حبیب الرحمن اعظمی کے حالات میں ہے کہ انہوں نے بھی اس پر ایک تنقیدی مقالہ لکھا ہے۔

(۲) پہلی طاعت میں ثقات ابن شائین کے حوالے سے یہ حوالہ رائے التیار کی حق، ثقات ابن شائین کی دیگر طبقات ملاحظہ کی گئیں، تو ہماری اس رائے کو حریہ تقویت ملی۔ چنانچہ مکی سامرائی کی تحقیق سے جو ثقات ابن شائین لکھی ہے اس میں عبادت یوں ہے: عبدالرحمن بن العلاء، ثقہ۔ جیسے تحقیق نے لکھا ہے: عبدالرحمن بن العلاء الکندی۔ قال ابو حاتم: صالح۔ (الجرح والتعديل ۵/۲۶۸)۔ (ثقات ابن شایہ، تحقیق صبحی السامرائی، طبع الدار السلفية ۱۴۰۴ھ)۔ انظر فی عبدالرحمن بن العلاء ہے، عبدالرحمن بن العلاء ثقیں۔

«عبدالرحمن بن العلاء بن اللجلاج [نزیل حلب عن أبيه وعنه
لیث بن أبي سليم]»^(۱)

اور ریکٹ کی اس عبارت کے بارے میں حاشیہ میں لکھا ہے: «زیادة من
المطبوعة». کہ یہ مطلوبہ نسخے سے اضافہ کیا گیا ہے، پیش نظر مخطوطات میں یہ الفاظ
نہیں ہیں اور اسی طرح «لسان المیزان» مؤسسة الأعلیٰ بیروت کے نسخے میں بھی
یہ ہے۔^(۲)

اور «خلاصة تذهیب التذهیب للبخزرجي» میں ہے: «عبدالرحمن
بن العلاء بن اللجلاج عن أبيه وعنه لیث بن أبي سليم»^(۳)

لیکن بظاہر یہ بھی غلطی ہے، اور مبشر حلبی کی جگہ لیث کو غلطی سے ذکر کیا گیا ہے،
کیونکہ وہ ہے کہ علامہ علی بن صلاح الدین صنعانی [۱۱۳۰ھ/۱۱۹۱ھ] نے اس کتاب پر جو
حاشیہ «تحاف الخاصة بتصحيح الخلاصة» تحریر فرمایا ہے، اس میں موصوف
نے فرمایا ہے:

«كذا في نسخة أخرى وفي «التذهيب»: وعنه مبشر بن إسماعيل
الحلبي ولم يذكر أحدًا سواه وليس لثيث ذكرٌ في هذه الترجمة. وذكره
ابن حبان في «الثقات»»^(۱)

(۱) لسان الميزان

(۲) لسان الميزان الطبعة الثانية ۱۳۹۰ھ۔

(۳) خلاصة تذهیب التذهیب ص ۲۳۳ المطبعة المبرية ۱۳۰۱ھ۔

ترجمہ: «اسی طرح ایک اور نسخے میں بھی ہے، لیکن تہذیب الکمال میں اس
سے روایت کرنے والا صرف ایک راوی مبشر حلبی ذکر کیا گیا ہے، اس کے علاوہ کوئی اور
ذکر نہیں کیا ہے، لیث کا یہاں تذکرہ نہیں ہے۔ اور اس راوی کو ابن حبان نے ثقات میں
ذکر کیا ہے۔»

حالات علامہ بن لجلج

علامہ بن لجلج اپنے حضرت لجلج کے بیٹے ہیں، اور حضرت لجلج اور حضرت عبداللہ
بن عمر کے شاگرد ہیں، ان دونوں سے روایتیں نقل کی ہیں۔ علامہ حلی نے ان کو نقد قرار
دیا ہے، اور علامہ ابن حبان نے بھی ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔ صحاح ستہ میں سے صرف
ترمذی شریف میں ان کی ایک روایت موجود ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر ان کے حالات
میں تحریر فرماتے ہیں:

«العلاء بن اللجلاج الغطفاني ويقال العامري الشامي يقال إنه
أخو خالد بن اللجلاج، روى عن أبيه وابن عمر. قال العجلي: ثقة.
روى له الترمذی حدیثا واحدا عن عائشة في شدة الموت. قلت:
وذكره ابن حبان في «الثقات»»^(۱)

حالات حضرت لجلج

(۱) خلاصة تذهیب التذهیب ص ۲۳۳

(۲) تذهیب التذهیب ۸/ ۱۷۰.

لہاج کے نام سے دو صحابی کتب تاریخ میں معروف ہیں، ایک حضرت لہاج علاء کے والد اور دوسرے حضرت لہاج خالد کے والد، یہ دونوں ایک ہیں یا دونوں الگ الگ ہیں، انہی قریب کی اس بارے میں دونوں رائے ہیں، علامہ ابن معین کی رائے ہے کہ یہ دونوں ایک ہیں، جبکہ علامہ ابن سیح کی رائے یہ ہے کہ یہ دونوں الگ الگ ہیں، حافظ ابن حجر نے "اصابہ" میں علامہ ابن سیح کے قول کو ترجیح دی ہے، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ان دونوں کا الگ الگ ترجمہ نقل کیا ہے۔ ان کی عبارت آگے آ رہی ہے، اس لحاظ سے زیر بحث روایت میں حضرت لہاجؓ سے مراد حضرت لہاج علاءؓ کے والد مراد ہے۔

تاہم یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہیں کہ صحابی کے بارے میں مذکورہ بالا جہالت کوئی قابل جرح بات نہیں، کیونکہ صحابہ قرام کے ثقہ ہیں۔

ذیل میں دونوں حضرات کا ترجمہ "الإصابة" سے نقل کیا جاتا ہے:

"(لہاج طغفانی)"

علامہ ابو عباس سراج نے اپنی "تاریخ" میں اور خلیفہ بغدادی نے "متفق" میں اپنی سند سے علاء بن لہاج سے نقل کیا ہیں کہ حضرت لہاجؓ فرماتے ہیں کہ جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے اس وقت سے میں نے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا ہے، جب کہ حضرت لہاجؓ کی کل عمر ایک سو بیس سال تھی، پچاس سال دور جاہلیت کی اور ستر سال اسلام کی۔

علامہ عسکری نے آخری جملہ اس کے برعکس نقل کیا ہے، اس میں یہ ہے کہ دور جاہلیت کی عمر ستر تھی اور اسلام کی پچاس سال۔ علامہ ابو الحسن ابن سیحؓ فرماتے ہیں کہ لہاجؓ جو علاء کے والد ہیں، وہ لہاج طغفانی ہیں۔

(لہاج عامری خالد کے والد)

امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان کے لیے صحابیت ثابت ہے، انہوں نے حضرت لہاجؓ کا تذکرہ اپنی "تاریخ" میں کیا ہے اور ذیل کی روایت بھی نقل کی ہے، اسی طرح "الاصابہ المفرد" میں اور "سنن ابی داؤد" اور "سنن نسائی" میں خالد بن لہاج سے منقول ہے کہ حضرت لہاجؓ فرماتے ہیں کہ ہم چھوٹے بچے ہوتے تھے، بازار میں کام کرتے تھے، حضور ﷺ کے پاس ایک شخص لایا کیا اور اس کو ہم کیا گیا، ایک آدمی آیا اس نے ہم سے اس شخص کے بارے میں پوچھا ہم اس کو لیکر حضور ﷺ کے پاس آئے، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ ہم سے غیبت کے بارے میں پوچھتا ہے جس کو آج سگسار کیا گیا، حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم اس کو غیبت مت کہو کیونکہ وہ اللہ کے نزدیک ملک سے بھی زیادہ خوشیوار ہے۔"

اس کو بعض نے تفصیل کے ساتھ اور بعض نے اختصار کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اور ابو داؤد اور نسائی نے ایک اور سند کے ساتھ تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے۔

علامہ ابن سیحؓ فرماتے ہیں کہ یہ (حضرت لہاجؓ) بنی زہرہ کے موانی میں سے ہیں۔ ان کا انتقال دمشق میں ہوا ہے۔

اور علامہ ابن معینؒ یہ منقول ہے کہ حضرت لہاجؓ علاء کے والد اور حضرت لہاجؓ خالد کے والد، یہ دونوں ایک ہیں، یہی بات علامہ حزیؒ نے اپنی "اطراف" میں اختیار کی ہے، چنانچہ انہوں نے لہاجؓ علاء کے والد کے تحت کہ اوپر والی روایت نقل کی ہے، اور علامہ حزیؒ "تہذیب الکمال" میں فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت معاذ سے روایت کی ہے، اور ان سے ابو داؤد بن ثمامہ نے روایت نقل کی ہے۔

میں (حافظ ابن حجر) کہتا ہوں کہ علامہ ابن السیسی کے قول کی تقویت اور ترجیح خود حضرت لجلال عامریؒ کی اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کے زمانے میں چھوٹے تھے، اور حضرت لجلال غطفانیؒ کے قول سے بھی ہوتی ہے۔ (دو) فرماتے ہیں کہ اسلام لانے سے پہلے ان کی عمر ستر یا پچاس سال تھی (یعنی اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں الگ الگ ہیں)۔

اب حافظ ابن حجرؒ کی عبارت ملاحظہ ہو:

[الجلال غطفانی]

«أخرج أبو العباس السراج في «تاريخه» والخطيب في «المتفق» من مشيخة شيخه يعقوب بن سفيان في ترجمة شيخه محمد بن أبي أسامة الحلبي عن قيس سمعتُ عبد الرحمن بن العلاء ابن الجلال عن أبيه عن جده قال: ما ملأتُ بطني منذ أسلمت مع رسول الله ﷺ قال كان عاش مئة وعشرين سنة حسين في الجاهلية وسبعين في الإسلام. وذكر العسكري عكس ذلك أنه وفد وهو ابن سبعين وعاش بعد ذلك خمسين.

وقال أبو الحسن بن سميع: جلال والد العلاء غطفاني.

[الجلال عامری والد خالد]

قال البخاری: له صحبة وأورد في «التاريخ» والسياق له. وفي «الأدب المقرد» وأبوداؤد والنسائي في «الكبرى» من طريق محمد بن عبدالله الشعبي عن سلمة بن عبدالله الجهني عن خالد بن الجلال

عن أبيه قال: كنا علماناً نعمل في السوق فأبى النبي ﷺ برجل فرجم فجاء رجل فسلنا أن ندله على مكانه فأتينا به النبي ﷺ فقلنا: إنه ذا يسألنا عن ذلك الخبيث الذي رجم اليوم فقال: لا تقولوا خبيث فوالله لهُوَ أَطْيَبُ عند الله من المسك.

طوله بعضهم واختصره بعضهم. وأخرج أبوداؤد والنسائي من وجه آخر مطولاً عن خالد بن الجلال. قال ابن سميع: هو مولی بنی زهرة، مات بدمشق. وعن ابن معين: جلال والد خالد وجلال والد العلاء واحد. وعلى ذلك مشی المزی فی «الأطراف» فقال: جلال والد العلاء. ثم ساق حديث خالد بن الجلال عن أبيه. وقال في «التهذيب»: روى أيضاً عن معاذ وروى عنه أيضاً أبوالورد بن ثامة. قلت: بقوى قول ابن سميع قول العامري إنه كان غلاماً في عهد النبي ﷺ وقول والد العلاء.^(۱)

☆☆☆

(۱) الإصابة في تمييز الصحابة ۶/۶.

دوسری حدیث: حدیث عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

مسئلہ مذکورہ سے متعلق دوسری حدیث حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی مرفوع حدیث ہے، پیچھے ان کی موقف روایت بھی گذر چکی ہے، عبد اللہ بن عمرؓ کی اس حدیث کو متعدد علماء نے نقل کیا ہے، اور اس سے مسئلہ مذکورہ کے لئے استدلال کیا ہے، ان کی یہ حدیث (۱) لام خلالؓ [۳۲۳ھ / ۳۱۱ھ]، (۲) لام طبرانیؓ [۳۶۰ھ / ۳۶۰ھ] اور (۳) لام بیہقیؓ [۳۸۴ھ / ۳۵۸ھ] نے روایت کی ہے۔

اب ان کی روایات ترتیب وار ملاحظہ ہو:

(۱) روایت لام خلالؓ [۳۲۳ھ / ۳۱۱ھ]:

لام خلالؓ فرماتے ہیں:

«وأخبرني العباس بن محمد بن أحمد بن عبد الكريم، قال: حدثني أبو شعيب عبد الله بن الحسين بن أحمد بن شعيب الحران كتابه، قال: حدثني يحيى بن عبد الله الضحاك البالي، حدثنا أيوب بن نهيك الحلبي الزهري مولى آل سعد بن أبي وقاص قال: سمعت عطاء بن أبي رباح المكي، قال: سمعت ابن عمر، قال: سمعت النبي ﷺ يقول:

إذا مات أحدكم فلاتحبسوه، وأسرعوا به إلى قبره، وليقرأ عند رأسه بفاتحة البقرة، وعند رجله بفاتحتها في قبره»^(۱)

[ترجمہ] "عطاء بن ابی رباحؓ کی فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عمرؓ سے سنا، وہ فرمادے تھے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا وہ فرمادے تھے کہ جب تم میں سے کسی کا انتقال ہو جائے، تو اسے دیر روکے نہ رکھو اور اس کو قبر کی طرف جلدی لے جاؤ، اور قبر پر اس کے سر کی جانب سورت بقرہ کا شروع، اور پاؤں کے پاس سورۃ بقرہ کا آخری حصہ پڑھو۔"

(۲) روایت لام طبرانیؓ [۳۶۰ھ / ۳۶۰ھ]:

لام طبرانیؓ فرماتے ہیں:

«[۱۳۴۳۸] حدثنا أبو شعيب الحراني، ثنا يحيى بن عبد الله البالي، ثنا أيوب بن نهيك، قال: سمعت عطاء بن أبي رباح، قال: سمعت ابن عمر، يقول: سمعت النبي ﷺ يقول: إذا مات أحدكم فلاتحبسوه، وأسرعوا به إلى قبره، وليقرأ عند رأسه بفاتحة الكتاب، وعند رجله بفاتحة البقرة في قبره»^(۲)

علامہ طبرانیؓ کے حوالے سے اس روایت کو متعدد محدثین نے ذکر کیا ہے، ذیل میں ترتیب وار یہ نقل کیے جاتے ہیں:

(۱) کتاب القراءة عند القبور ص ۲، والأمر بالمعروف والنهي عن المنكر ۲۹۲/۱.

(۲) المعجم الكبير ۶/۲۵۵، طبع دار الكتب العلمية بيروت.

علامہ ثنی کا حوالہ:

(۱) علامہ ثنیؒ نے یہ روایت نقل کی ہے، اور اس کے بعد لکھتے ہیں کہ اس میں یحییٰ باقی راوی ہے اور وہ ضعیف ہے، ملاحظہ ہو:

«رواہ الطبرانی فی «الکبیر»، وفیہ یحییٰ بن عبد اللہ الباہلیتی وهو ضعیف»^(۱)

علامہ ابن حجر کا حوالہ:

(۲) اور علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی ایک جگہ یہ روایت نقل کی ہے، اور لکھا ہے کہ اس کی سند حسن درجے کی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

«ویؤیدہ حدیث ابن عمر: سمعتُ رسول اللہ ﷺ إذا مات أحدکم فلاتحبسوه، وأسرعوا به إلى قبره، أخرجه الطبرانی بإسناد حسن»^(۲)

(۳) روایت امام بیہقی (۳۸۳/۳۵۸ھ):

عبد اللہ بن عمرؓ کی یہ حدیث امام بیہقیؒ نے بھی روایت کی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

«[۸۸۵۴] أخبرنا علي بن أحمد بن عبدان، أخبرنا أحمد بن عبيد الصفار، حدثنا أبو شعيب الحراني، حدثنا يحيى بن عبد الله الباهليتي،

حدثنا أيوب بن نبيك الحلبي مولى آل سعد بن أبي وقاص، قال: سمعت عطاء بن أبي رباح، سمعت عبد الله بن عمر، سمعت النبي ﷺ يقول: إذا مات أحدكم فلاتحبسوه، وأسرعوا به إلى قبره، وليقرأ عند رأسه فاتحة الكتاب، وعند رجله بخاتمة البقرة في قبره.

لم نكتبه إلا بهذا الإسناد فيما أعلم، وقد رويناه القراءة المذكورة فيه عن ابن عمر موقوفاً عليه»^(۱)

صاحب مشکوٰۃ علامہ حمزہؒ کا حوالہ:

نام تنقیحی کی یہ روایت صاحب مشکوٰۃ علامہ حمزہؒ [۴۳۱ھ] نے بھی ذکر کی ہے، اور اس سے استدلال کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

«عن عبد الله بن عمر قال: سمعت النبي ﷺ يقول: إذا مات أحدكم فلاتحبسوه، وأسرعوا به إلى قبره، وليقرأ عند رأسه فاتحة البقرة، وعند رجله بخاتمة البقرة. رواه البيهقي في «شعب الإيمان» وقال: والصحيح أنه موقوف عليه»^(۲)

کیا حدیث ابن عمر موقوف ہے؟ صاحب مشکوٰۃ کی ایک تسامیح پر تجرید:

(۱) شعب الإيمان ۱/ ۴۷۱-۴۷۲، طبع مکتبۃ الرشید ریاض۔

(۲) مشکاة المصابيح بشرح القاري ۴/ ۸۱، باب دفن الميت، الفصل الثالث۔

(۱) مجمع الزوائد ۳/ ۱۲۴ (۴۲۴)، باب ما يقول عند إدخال الميت القبر۔

(۲) فتح الباري شرح صحيح البخاري ۳/ ۲۳۷، باب السرعة بالجنازة۔

صاحب مشکوٰۃ کی مذکورہ بالا عبارت سے یہاں ایک نئی بحث سر اٹھاتی ہے، کہ حدیث ابن عمر موقوف ہے یا سر فروع؟ اگر قارئین کرام غور کریں، تو معلوم ہو جاتا ہے کہ حدیث ابن عمر سر فروع ہے نہ کہ موقوف؛ کیونکہ ابن عمر اس بات کی تصریح کر رہے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا ہے، لیکن صاحب مشکوٰۃ لکھتے ہیں: "کہ امام تہقیقی قمرائے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ حدیث موقوف ہے۔"

یہاں صاحب مشکوٰۃ نے امام تہقیقیؒ کی بات کو ان کے الفاظ میں نقل کرنے کے بجائے اس کا خلاصہ نقل کرنے کی کوشش کی ہے، اور اسی خلاصہ کی وجہ سے امام تہقیقیؒ عبارت کا مطلب بالکل برعکس ہو گیا ہے، اس لئے امام تہقیقیؒ کی پوری عبارت ہم نے ذکر کی ہے، ان کی عبارت دوبارہ ملاحظہ ہو:

«لم نكتبه إلا بهذا الإسناد فيما أعلم، وقد رَوَيْنَا القراءَةَ المذكورة فيه عن ابن عمر موقوفاً عليه»^(۱)

[ترجمہ] "عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث میرے علم کے مطابق صرف اسی سند کے ساتھ ہم نے لکھی ہے، البتہ یہی مذکورہ قراءت (یعنی سورہ بقرہ و آخر تیر کے پاس پڑھنا) عبداللہ بن عمرؓ سے موقوفاً بھی مروی ہے۔"

کہاں امام تہقیقیؒ کی بات! اور کہاں صاحب مشکوٰۃ کا مطلب! دونوں میں بہت فرق ہے، امام تہقیقیؒ قویہ فرمادے ہیں کہ اس مفہوم سے متعلق عبد اللہ بن عمرؓ ایک دوسری موقوف حدیث بھی ہے، اور وہ حدیث عبد الرحمن بن لہانؓ ہے، جو پیچھے گذر چکی ہے اور

(۱) شعب الایمان ۱/ ۴۷۱-۴۷۲، طبع مکتبۃ الرشید ریاض.

امام تہقیقیؒ نے موقوف حدیث اپنی کتاب "السنن الکبریٰ" میں نقل کی ہے، یہاں امام تہقیقیؒ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے، یہ روایت امام تہقیقیؒ کے حوالے سے پیچھے تفصیل سے گذر چکی ہے، یہ مطلب نہیں کہ یہ حدیث موقوف ہے۔ لہذا یہاں صاحب "مشکوٰۃ" سے تسامع ہوا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ صاحب "مشکوٰۃ" بلند پایہ محدث ہیں، تاہم اس کے باوجود ان سے کئی مواقع پر سہو ہوا ہے، چنانچہ مولانا حافظ حبیب اللہ ڈیروٹی ان کی دس افلاط ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"تلك عشرة كاملة، صاحب "مشکوٰۃ" کی اور بھی کئی افلاط میرے پیش نظر ہیں مگر میں ان پر اکتفاء کرتا ہوں واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب، ہمارے استاذ محترم محقق وقت مولانا ابوالخیر محمد سر فراز خان صفور دام مجدہم نے ایک موقع پر دوران درس حدیث فرمایا تھا کہ میں نے صاحب مشکوٰۃ کے سو (۱۰۰) افلاط جمع کئے ہیں۔"^(۱)

صاحب "مشکوٰۃ" کی اتباع میں ان کے بعد کئی علماء نے وہی غلطی دہرائی ہیں، جو صاحب "مشکوٰۃ" نے کی ہے، "مشکوٰۃ" کے شارحین: ملا علی قاریؒ، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، مولانا عبید اللہ مہار کیوٹیؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے بھی اس جگہ کوئی وضاحت نہیں کی۔"^(۲)

(۱) نود الصابغ فی ترک رفع الیدین بعد الاختتار ۱/ ۱۲۲.

(۲) لا حظ ہو: [۱] مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح للملا علی القاری ۳/

[۲] لمعات التنقیح شرح مشکاة المصابیح (حررہ) ۴/ ۳۵۴-۳۵۵،

أشعة اللمعات شرح مشکاة (فارسی) ۱/ ۲۹۷، [۳] التعلیق الصبیح =

مولانا گوہر الرحمن کی تصریح:

ہندہ نے بہت کوشش کی کہ کسی عالم نے صاحب "ملکوتہ" کی اس قلمی پر حبیہ کی ہو، لیکن اسکے متعلق کچھ نہیں ملا، ایک دن کسی اور حوالے کے لیے مولانا گوہر الرحمن صاحب کی کتاب "تہذیب المسائل" دیکھ رہا تھا کہ اچانک نگاہ اس پر پڑی، انہوں نے صاحب "ملکوتہ" کی اس قلمی پر حبیہ کی ہے، ان کی عبارت درج ذیل ہے:

"صاحب "ملکوتہ" نے جو یہ کلمہ ہے کہ تنقلی نے یہ کہا ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے، تو یہ صحیح نہیں ہے! اس لیے کہ تنقلی نے یہ نہیں کہا ہے کہ یہ موقوف ہے بلکہ مرفوعاً نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ ہم نے یہ روایت موقوفہ بھی نقل کی ہے، جیسا کہ میں نے ان کے اصل الفاظ نقل کر دیے ہیں۔"^(۱)

مولانا فیصل ندوی کی تصریح:

پھر اللہ تعالیٰ کے فضل سے مولانا فیصل احمد ندوی کی تصریح بھی مل گئی، موصوف لکھی کتاب "الآیات البینات فی فضائل الآیات" میں لکھتے ہیں:

"شرح مشکاة المصابیح للکاتب المحدث ۳/ [۴] مراعاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح للمبارکپوری ۵/ ۴۵۴، [۵] مشکوة ترجمہ وتحقیق حافظ زبیر علی زئی ۱/ ۵۵۹، [۶] کتاب الفتاویٰ، تالیف مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب، ۳/ ۱۹۲

(۱) تہذیب المسائل ۱/ ۱۸۸، مکتبہ تہذیب القرآن، مردان، ۲۰۰۳ء

«هكذا نقل الخطيب التبريزي في «المشكاة» عن البيهقي، وإنما فيه ما ذكرته قبل. فلعل التبريزي استخرجه من قول البيهقي المتقدم»^(۱)
علامہ سیوطی کی تصریح:

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں علامہ سیوطی کی عبارت نقل کی جائے جنہوں نے تصریح کی ہے کہ یہ حدیث مرفوعہ ہے، وہ فرماتے ہیں:

«ومن الوارد في ذلك ما تقدم في باب ما يقال عند الدفن من حديث ابن عمر والعلاء بن الجلاح مرفوعاً كلاهما»^(۲)

ابنہ مولانا فیصل ندوی نے یہ بات پورے وثوق سے ذکر نہیں کی ہے، وہ اس سلسلے میں متروک نظر آتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ یہ بھی تحریر فرماتے ہیں:

«هذا الحديث موقوفاً على ابن عمر لاريب في ذلك»^(۳)

(۱) الآيات البينات في فضائل الآيات ص ۶۷ طبع: دار الفیحاء بیروت.

(۲) شرح الصدور ص ۱۳۰.

(۳) الآيات البينات ص ۴۷.

حدیث ابن عمرؓ کے راویوں کے حالات:

امام طبرانی کی روایت کے مطابق اس حدیث کی سند میں کل پانچ راوی ہیں:

(۱) ابو شعیب الخرائی (۲) یحییٰ بن عبداللہ الباہلی

(۳) ایوب بن نبیک (۴) عطاء بن ابی رباح

(۵) عبداللہ بن عمر

اب ہر ایک کے حالات ملاحظہ ہو:

(۱) ابو شعیب خرائیؓ

یہ امام عبد اللہ بن حسن بن احمد ابو شعیب خرائیؓ ہیں، ان کی ولادت ۲۰۶ھ اور وفات ۲۹۳ھ ہے، علامہ ذہبیؒ ان کے بارے میں فرماتے ہیں، کہ علامہ دارقطنیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ ثقہ اور قابل اعتماد ہیں: «قال الدار قطني: ثقة مأمون»^(۱)

(۲) یحییٰ بن عبد اللہ باہلیؓ

یہ ابو سعید یحییٰ بن عبد اللہ بن ضحاک خرائی باہلیؓ ہیں، ان کی وفات ۲۱۹ھ ہے، متعدد محدثین نے ان کو ضعیف کہا ہے۔^(۲)

(۳) ایوب بن نبیکؓ

یہ راوی بھی ضعیف ہے، چنانچہ ان کے بارے میں حافظ بن حجر تحریر فرماتے ہیں:

«ضعفه أبو حاتم وغيره. وقال الأزدي: متروك. وذكره ابن حبان في «ثقافته»: يروي عن عطاء والشعبي. روى عنه ميسر بن إسماعيل وكان مولیٰ سعد بن أبي وقاص، من أهل حلب، يعتبر بحدیثه من غير رواية أبي قتادة الخرائی عنه. وقال ابن أبي خاتم: من أهل حلب. سمعت أبا زرعة يقول: هو منكر الحديث، ولم يقرأ علينا حديثه»^(۱)

علامہ ذہبیؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

«امتنع أبو زرعة من رواية حديثه تورعاً. وقال أبو حاتم: ضعيف»^(۲)

(۳) عطام بن ابی رباحؓ

یہ مشہور تابعی ہیں، ان کا نام اسلم القرظی تھا، یہ ثقہ ہیں۔^(۳)

حدیث ابن عمرؓ کا اسنادی حکم:

یہ حدیث سنداً ضعیف ہے، کیونکہ اس میں یحییٰ بن عبد اللہ باہلیؓ، اور ایوب بن نبیکؓ راوی ضعیف ہیں، پیچھے علامہ ذہبیؒ کے حوالے سے گزرا ہے، انہوں نے بھی اس روایت کو

(۱) لسان المیزان ۱/ ۷۶۰.

(۲) تاریخ الإسلام ۴/ ۳۵۴.

(۳) ملاحظہ ہو: «تہذیب التہذیب» ۷/ ۱۸۳، «تقریب التہذیب» ۱/ ۶۷۵.

(۱) تاریخ الإسلام ۵/ ۲۶۵.

(۲) تاریخ الإسلام ۵/ ۶۵۷، «تہذیب التہذیب» ۱۱/ ۲۱۰، «تقریب التہذیب»

۳۰۷/۲.

ضعیف قرار دیا ہے، لیکن حافظ ابن حجر کے حوالے سے پیچھے گذر گیا ہے، انہوں نے اس روایت کو حسن قرار دیا ہے، اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ یہ ضعف شدید نہیں، اس لئے یہ روایت صحیح کے درجہ سے کم ہے، اور حسن درجہ کا ہے۔ اور یا یہ وجہ ہے کہ حافظ ابن حجر نے حدیث لکھانچ کو اس کے لیے متابع اور شاہد بنایا ہے، لہذا اس کی وجہ سے اس کا درجہ ضعف سے نکل کر حسن تک آ گیا۔

☆☆☆

قبرستان میں مطلق تلاوت قرآن کے جواز کی احادیث

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ان احادیث کا ایک جائزہ پیش کیا جائے، جن میں قبرستان میں مطلق تلاوت قرآن کے جواز کا ذکر ہے، تاکہ گئے ہاتھوں ان کا حکم بھی قاری کے سامنے آجائے، ان میں تمام احادیث سے ہمارا مقصود استدلال نہیں ہے۔

[۱] پہلی روایت: مردے کے پاس سورت [یس] کی تلاوت کرنا:

«عن معقل بن یسار رضي الله عنه قال: قال النبي ﷺ: اقرأوا بقرآن علی موتاكم»۔^(۱)

[ترجمہ:] "حضور ﷺ نے فرمایا: مردوں کے پاس سورت یس پڑھا کرو"

حدیث کا اسنادی حکم:

اس حدیث کو علامہ البانیؒ نے ضعیف کہا ہے، لیکن علامہ محمود سعید مدوح مدظلہ نے علامہ البانیؒ پر اس سلسلے میں رد کیا ہے، اور لکھا ہے کہ یہ حدیث "حسن" درجے کی ہے، یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن حبانؒ اور علامہ سیوطیؒ نے اس کو صحیح کہا ہے، جبکہ امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ نے اس پر سکوٹ اختیار کیا ہے، اور علامہ منذریؒ نے اس کو حسن کہا ہے۔ اس کے بعد علامہ محمود سعید مدوح نے بڑی تفصیل کے ساتھ اس حدیث کے رجال اور اس کے توالیع و شاہد پر روشنی ڈالی ہے، ان کی پوری عبارت یہاں ذکر کی جاتی ہے:

(۱) رواہ الإمام أحمد في «مسنده» ۱۷۲/۱۵، وأبو داود في «السنن»

۱۹۱/۳، والنسائي في «عمل اليوم والليلة» ص ۵۸۱ [۱۰۷۴]،

وابن ماجه ۴۶۵/۱ [۱۴۴۸]۔

«(٦٢٦) حديث ابن المبارك، عن سليمان التيمي، عن أبي عثمان - وليس بالنهدي - عن أبيه، عن معقل بن يسار، قال: قال النبي ﷺ: «اقرأوا (يس) على موتاكم».

ذكره في «ضعيف أبي داود» (٦٨٣/٣١٦)، وفي «ضعيف ابن ماجه» (٣٠٨/١٠٨).

وقال في «إروائه» بعد أن انفصل عن ضعفه (١٥١/٣): «للحديث علة أخرى قاذحة أفصح عنها الذهبي نفسه في «الميزان» فقال في ترجمة أبي عثمان هذا: «عن أبيه عن أنس، لا يعرف، قال ابن المديني: لم يرو عنه غير سليمان التيمي».

قلت: أما النهدي فتقة إمام.

قلت: وقام كلام ابن المديني: «وهو مجهول»، وأما ابن حبان فذكره في «الثقات» (٣٢٦/٢) على قاعدته في تعديل المجهولين.

ثم إن في الحديث علة أخرى وهي الاضطراب فبعض الرواة يقول: «عن أبي عثمان عن أبيه عن معقل» وبعضهم: «عن أبي عثمان عن معقل» لا يقول: «عن أبيه» وأبوه غير معروف أيضاً! فهذه ثلاث علل: ١- جهالة أبي عثمان. ٢- جهالة أبيه. ٣- الاضطراب. انتهى كلام الألباني.

قال العبد الضعيف: الحديث حسن، وقد صححه ابن حبان (الإحسان رقم: ٣٠٠٢)، والسيوطي، وسكت عليه الحاكم

(٥٦٥/١) والذهبي، وقال المنذري في «تخريج أحاديث المذهب»: حديث حسن، كذا في «البدرا المنير» (٤/٢٢٧ ج ١).

فلسليان بن طرخان التيمي ذكره الحافظ ابن حجر في «التقريب» (٢٥٧٥) في الطبقة الرابعة أي أنه تابعي أدرك عدداً من الصحابة، في أغلب على الظن أن شيخه أبا عثمان من طبقة كبار التابعين، وقد ذكره ابن حبان في «الثقات» (٦٦٤/٧) وصحح له، وروى عنه ثقة هو سليمان التيمي، فالليل لقبول حديثه متجه قوى.

وأما أبوه فهو مخضرم أدرك الجاهلية، أو صحابي، ولذلك صحح الحديث ابن حبان، ثم السيوطي، مع ملاحظة أن ابن حبان روى الحديث عن سليمان التيمي، عن أبي عثمان، عن معقل بن يسار به مرفوعاً، فلم يقل: عن أبي عثمان، عن أبيه.

ومع ذلك فللحديث شواهد:

١- أخرج أحمد في «المسند» (١٠٥/٤) حدثنا أبو المغيرة، ثنا صفوان، حدثني المشيخة أنهم حضروا غضيب بن الحارث الثمالي حين اشتد سقوه، فقال: هل منكم من أحد يقرأ (يس)، قال: فقرأها صالح بن شريح السكوني، فلما بلغ أربعين منها قبض، قال: فكان المشيخة يقولون: إذا قرئت عند الميت خفف عنه بها، قال صفوان: وقرأها عيسى بن المعتمر عند ابن معبد.

وأخرجه ابن سعد في «الطبقات» (٤٤٣/٧) في ترجمة غضيف بن الحارث من طريق صفوان به.

وهذا الإسناد رجاله ثقات، وقد حسن هذا الإسناد الحافظ ابن حجر في «الإصابة» (١٨٤/٣)، وصفوان هو ابن عمر والسكسكي، وشيوخه جماعة من التابعين يجبر بعضهم بعضاً، وغضيف بن الحارث الثمالي - رضى الله عنه - صحابي، وطلبه قراءة سورة يس عند احتضاره يحتاج لتوقيف وليس للرأى فيه مجال، فحكمه الرفع على ما هو مقرر في قواعد الحديث.

أما قول المشيخة: «إذا قرئت عند الميت خفف عنه بها»

فالمشيخة هنا جماعة من التابعين، وكلامهم حكمه حكم الإرسال عند طائفة من المحدثين.

ولأثر غضيف بن الحارث الثمالي طريق آخر أخرجه ابن عساكر في «تاريخ دمشق» (١٤/٧٠١) من حديث سعيد بن منصور، حدثنا فرج بن فضالة، عن أسد بن وداعة قال: لما حضر غضيف بن الحارث الموت، حضر إخوته فقال: هل فيكم من يقرأ سورة يس؟ فقال رجل من القوم: نعم، فقال: اقرأ ورتل وانصتوا، فقرأ ورتل وأسمع القوم فلما بلغ (فسبحان الذي بيده ملكوت كل شيء) وإليه ترجعون) فخرجت نفسه، قال أسد بن وداعة: فمن حضره منكم الموت فشدد عليه الموت فليقرأ عليه (يس) فإنه يخفف عليه الموت.

سعيد بن منصور إمام حافظ ثقة، وشيخه فرج بن فضالة بن النعمان التنوخي الشامي ضعيف.

وأسد بن وداعة هو الشامي الناصبي، وعليه ثناء في ترجمته في «التاريخ الكبير» (٥٠/٢)، وذكره ابن حبان في ثقات التابعين (٦٥/٤).

فضعف إسناد ابن عساكر ينتج عن إسناد أحمد وابن سعد ورجالهم ثقات وحسنه الحافظ ابن حجر في «الإصابة» كما تقدم.

ولما كان أسد بن وداعة تابعياً فكلامه ينزل منزلة المرسل كما تقدم نظيره.

٢- وأخرج ابن أبي عمر في «مستدرك»: حدثنا عبدالمجيد بن أبي رواد، عن مروان بن سالم، عن صفوان بن عمرو، عن شريح بن عبيد، عن أبي الدرداء رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «ما من ميت يموت ويقرأ عنه «يس» إلا هون الله تعالى».

كذا في النسخة المستندة من «المطالب العالية» (١/٣١٥/٨٠٦)، وهو في «الفردوس» بنفس الإسناد (٦٠٩٩)، لكن عن أبي الدرداء وأبي ذر رضى الله عنهما.

وقال الحافظ البوصيري في «مختصر الانحاف» (٣/٩٩/٢١٥٦): «رواه الحارث بسند ضعيف لضعف مروان بن سالم الجزري، وله

شاهد من حديث معقل بن يسار، زواه أصحاب السنن وابن حبان في صحيحه.

ومروان بن سالم ضعيف، بل متروك عند بعضهم، لكن قال ابن أبي حاتم الرازي عن أبيه: منكر الحديث جدا، ضعيف الحديث، ليس له حديث قائم، قلت: يترك حديثه؟ قال: لا، يكتب حديثه. راجع «الشرح والتعديل» (۸/ت ۱۲۵۵).

فالرجل ضعف بسبب روايته المنكرات، فمأخوذ أنه لم يغرب ولم ينكر فيه فيمكن الاعتبار به، ولذلك استشهد بالرجل الحافظ البوصري.

وفي الباب عن أبي ذر رضي الله عنه، عزوه لأبي الشيخ في فضائل القرآن، ولم أقف عليه.

وأنت إذا أمنت النظر في الطرق المتقدمة تجد أن حديث معقل بن يسار صحيحه ابن حبان والسيوطي وحسنه المنذري، إذا كان فيه بعض خلل على رأي آخرين فهو ينجز بالشاهد الأول.

وله طريقان: أحدهما صحيح أو حسن، والآخر ضعيف، وهذا وحده كاف لتقوية حديث معقل بن يسار، بحيث يمكن أن تستغنى

عن الشاهد الثاني، ولا غناء عنه بعد استشهاد الحافظ البوصري به، والحاصل أن الحديث حسن، والله أعلم بالصواب. (۱)

حدیث کی تخریج علامہ ابن حبان سے:

علامہ ابن حبان اس حدیث کی تخریج میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں مروی سے مراد وہ شخص ہے جو خروج کی حالت میں ہو، وہ مراد نہیں جس کی وفات واقع ہو گئی ہو۔ (۲)

علامہ طبری اور حافظ ابن جریر سے:

لیکن علامہ محب الدین طبری نے ان پر رد کیا ہے، اور لکھا ہے کہ یہ دونوں کے لیے مفید ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں:

«قال أبو حاتم: اقرأوا على موتاكم يس. أراد من حضرته المنيّة، لا أن الميت يقرأ عليه، وكذلك لقنوا موتاكم لا إله إلا الله، قلت: أما قوله في التلقين فمسلّم وأما في قراءة يس فذلك نافع للمحتضر والميت» (۳)

(۱) التعريف بأوهام من قسم السنن إلى صحيح وضعيف ۴۰-۳۶/۵. ويلاحظ أيضا: كشف الستور ص ۲۳۴-۲۳۶.

(۲) صحيح ابن حبان ۷/۲۷۱.

(۳) غابة الأحكام في أحاديث الأحكام ۳/۳۸۱.

حافظ ابن حجرؒ نے بھی علامہ ابن حبانؒ پر رد کے سلسلہ میں علامہ محب الدین طبریؒ کا حوالہ دیا ہے، چنانچہ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

«قال ابن حبان في «صحيحه» عقب حديث معقل قوله: اقرأوا على موتاكم يس. أراد به من حضرته المنيّة، لا أن الميّت يقرأ عليه، وكذلك لقنوا موتاكم لا إله إلا الله، ورده المحب الطبري في «الإحكام» وغيره في القراءة وسلم له في التلخيص»^(۱)

علامہ متعالیٰ ہے:

اور علامہ متعالیٰؒ نے تو یہ فرمایا ہے کہ یہ حکم میت کو بھی شامل ہے، جس کی موت واقع ہوگئی ہو، بلکہ حقیقی معنی میں ہے، وہ فرماتے ہیں:

«وأخرج أبو داود من حديث معقل بن يسار، عنه ﷺ: اقرأوا على موتاكم سورة يس، وهو شامل للميّت بل هو الحقيقة فيه»^(۲)

☆☆☆

[۲] دوسری حدیث: قبرستان میں سورت {یس} پڑھنا:

«من دخل المقابر فقرأ سورة {يس} خفف عنهم يومئذ، وكان له بعدد من فيها حسنة»^(۳)

[ترجمہ] "قبرستان میں داخل ہو جائے، سورت یس کی تلاوت کرے، تو مردوں کا عذاب اس سے کم ہو جائے، اور مردوں کی تعداد کے بقدر اس کو نیکیاں ملتی ہیں۔"

حدیث کا اسنادی حکم:

علامہ بخاریؒ اس حدیث کی تخریج میں تحریر فرماتے ہیں: کہ مجھے اس کی کوئی سند نہیں ملی، البتہ میرے گمان کے مطابق یہ حدیث صحیح نہیں۔ ان کے الفاظ ملاحظہ ہو:

«وأما الحديث الثاني، فقد ذكره القرطبي أيضا، لكن بلا عزو، وعزاه للطبراني عن أنس، إلا أنني لم أظفر به إلى الآن. وهو في «الشافعي» لأبي بكر عبد العزيز صاحب الحلال الحنبلي، كما عزاه إليه المقدسي، وأحسبه لا يصح»^(۴)

اس حدیث کی جو سند "تعمیر نام شعبی" میں ہے، وہ بھی موضوع ہے، چنانچہ علامہ ابائیؒ تحریر فرماتے ہیں:

«من دخل المقابر، فقرأ سورة {يس} خفف عنهم يومئذ، وكان له بعدد من فيها حسنة»

(۱) تفسیر التعلیمی ۳/ ۱۶۱، ۲، التذکار فی أفضل الأذکار للقرطبی ص ۲۷۶.

(۲) الأجوبة المرضیة للسخاوی ۱/ ۱۷۰.

(۱) التلخیص الخیر ۳/ ۱۱۵۶.

(۲) سبل السلام ۲/ ۳۳۸.

موضوع أخرجه الثعلبی فی «تفسیر» (۲/ ۱۶۱/ ۳) من طریق محمد بن أحمد الریاحی، حدثنا أبی، حدثنا یوب بن مدرک عن أبی عیبة عن الحسن عن أنس بن مالک مرقوعا.

قلت: وهذا إسناده مظلم هالك مسلسل بالعلل: الأولى: أبو عیبة.

قال ابن معین: «مجهول». الثانية: یوب بن مدرک متفق علی ضعفه وتركه، بل قال ابن معین: كذاب. وفي رواية: كان يكذب. وقال ابن حبان: «وأما ابنه محمد، فصدوق. له ترجمة في «تاریخ بغداد» (۱/ ۳۷۲).

وقال الحافظ السخاوي في «الفتاوی الحديثية» (ق ۱/ ۱۹): رواه أبو یکر عبدالعزیز صاحب الخلال بإسناده عن أنس مرقوعا. كما فی جزء وصول القراءة إلى المیت للشیخ محمد بن إبراهیم المقدسی، وقد ذكره القرطبي، وعزاه للطبرانی عن أنس، إلا أنني لم أظفر به إلى الآن. وهو في «النشائي» لأبی یکر عبدالعزیز صاحب الخلال الحنبلي كما عزاه إليه المقدسی، وأخطه لا یصح.

قلت: لو وقف علی إسناده لجرم بعدم صحته، فالحمد لله الذی أوقفنا علیه، حتی استطعنا الكشف عن علته. فقله الحمد والمنة. (۱)

(۱) الأجوبة المرضية للسخاوي ۱/ ۱۷۰.

☆☆☆

[۳] تفسیری حدیث: والدین کے قبروں کے پاس سورت {یس} پڑھنا:

«من زار قبر والده کل جمعة فقرأ عندهما أو عنده {یس} غفرله بعدد کل آية أو حرف».

[ترجمہ] ”جو ہر جمعہ کے دن اپنے والدین یا ان میں سے ایک کے قبر کے پاس سورۃ یس پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ ہر حرف کے بدلے اس کی مغفرت فرماتے ہیں۔“

حدیث کا مستادی حکم:

یہ حدیث علامہ ابن عدی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

«حدثنا محمد بن الضحاك بن عمرو بن أبي عاصم النبيل، ثنا يزيد بن خالد الأصبهاني، ثنا عمرو بن زياد، ثنا يحيى بن سليم الطائفي عن هشام بن عروة، عن أبيه، عن عائشة رضي الله عنها عن أبي بكر الصديق رضي الله عنه، سمعت رسول الله ﷺ يقول: من زار قبر والده أو أحدهما يوم الجمعة فقرأ {يس} غفرله».

وہذا الحدیث بهذا الإسناد باطل ليس له أصل، ولعمرو بن زياد غير هذا من الحديث، منها سرقة يسرقها من الثقات ومنها موضوعات، وكان هو يتهم بالوضع. (۱)

(۱) الكامل لابن عدي ۵/ ۱۵۲.

علامہ ابو الشیخ اسماعیل نے بھی اپنی سند کے ساتھ یہ روایت ذکر کی ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں: «من زار قبر والديه في كل جمعة فقرا عندهما أو عنده {يس} غفرله بعد ذلك آية أو حرفاً»^(۱)

علامہ ابن الجوزی نے یہ روایت اپنی کتاب "الموضوعات" میں ذکر کی ہے، اور علامہ ابن عدی کی جرح نقل کی ہے۔^(۲)

لیکن علامہ سیوطی نے علامہ ابن الجوزی پر رد کیا ہے کہ یہ روایت موضوع نہیں، کیونکہ اس کے لیے شاہد موجود ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

«قلت: له شاهد، أخرجه الطبراني في «الأوسط» من طريق عبدالكريم بن أبي أمية، وهو ضعيف، عن مجاهد، عن أبي هريرة مرفوعاً: من زار قبر أبويه أو أحدهما كل يوم جمعة غفرله وكتب برأه، وأخرجه البيهقي بهذا اللفظ من مرسل محمد بن نعيان»^(۳)

لیکن علامہ سیوطی پر اس سلسلے میں علامہ احمد بن محمد بن حنفیہ متوفی [۱۳۸۰ھ] نے رد کیا ہے کہ یہ شاہد اور متابع نہیں بن سکا اس لیے کہ شاہد اور متابع کے لیے

(۱) طبقات المحدثین بأصبهان ۱۰۲/۳

(۲) ملاحظہ ہو: «الموضوعات» ۲۴۰/۳

(۳) النکت البہیجات علی الموضوعات ص ۱۵۳-۱۵۴

ضعیف ہے کہ ان روایات میں ضعف شدید درجے کا ہے، جبکہ ان میں ضعف شدید درجے کا ہے۔^(۱)

اور علامہ ستائش اس حدیث کی تحریکات میں تحریر فرماتے ہیں:

«وأما الحديث الثالث: فقد ذكره صاحب اللؤلؤ في «الشافعي» أيضاً، وأخرجه أبو الشيخ بن حبان في «ثواب الأعمال» وابن عدي في «كامله» كلاهما من طريق عمرو بن زياد الداري عن يحيى بن سليم الطائفي، عن هشام عن أبيه عن عائشة عن أبي بكر الصديق «فذكره بلفظ: «من زار قبر والديه أو أحدهما كل جمعة فقرا عندهما يس والقرآن الكريم، غفرله بعدد كل آية أو حرف». وهو عند الديلمي في «مسند الفردوس» له، من طريق أبي الشيخ، وقال ابن عدي: إنه بهذا الإسناد باطل ليس له أصل، وكان عمرو يتهم بوضع الحديث، وقد ذكره لذلك في «الموضوعات» ابن الجوزي. وله شاهد عند الطبراني في «الأوسط» و«الصغير» من حديث أبي هريرة بلفظ: من زار قبر أبويه أو أحدهما كل جمعة غفرله وكتب بارأه. في سند عبدالكريم أبو أمية وهو ضعيف، وأخرجه ابن الجوزي في «الموضوعات» من طريق الدارقطني بسنده إلى ابن عمر عن نافع عن ابن عمر رفعه: «من زار قبر أبيه أو قبر أمه أو قبر أحد من قرابته كتب له كحجة مبرورة ومن كان زواراً لهم

(۱) ملاحظہ ہو تفصیل کے لیے ان کی کتاب: «المداري لعمل الجامع الصغير وشرحي

المنار» ۲۹۱/۶-۲۹۳، قاعدة جلیلة فی متابعات والشواهد.

حتی یموت زارت الملائكة قبره، وهو كذلك بنحوه عند أبي الشيخ ابن حيان في «الثواب» له وابن عدي في «كامله» ومن طريقه أخرجه ابن الجوزي في «الموضوعات» أيضاً، وأخرجه أبو منصور الدلمي في «مسنده» بهذا السند أيضاً، لكن بلفظ: «من زار قبر والديه أو أحدهما يوم الجمعة كان كحجة». والله أعلم. (۱)

☆☆☆

[۳] چوتھی حدیث: قبرستان میں گیارہ مرتبہ سورۃ اخلاص پڑھنا:

«من مر بالمقابر فقرأ ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ إحدى عشرة مرة، ثم وهب أجره للأموات أعطي من الأجر بعدد الأموات».

[ترجمہ] "جو قبرستان سے گزرے، اور گیارہ مرتبہ سورت ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ کی تلاوت کرے، پھر اس کا ثواب مردوں کو بخش دے، اس کو مردوں کی تعداد کے بقدر نیکیاں ملتی ہیں۔"

حدیث کا استادی حکم:

«قال الحسن الخلال: حدثنا أحمد بن إبراهيم بن شاذان، ثنا عبد الله بن عامر الطائي، حدثني أبي، ثنا علي بن موسى، عن أبيه موسى، عن أبيه جعفر عن أبيه محمد، عن أبيه علي، عن أبيه الحسين، عن أبيه علي بن أبي طالب قال قال رسول الله ﷺ: من مر بالمقابر وقرأ

(۱) الأجوبة المرضية للسخاوي ۱/ ۱۷۱-۱۷۲.

﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ إحدى عشرة مرة، ثم وهب أجره للأموات أعطي من الأجر بعدد الأموات» (۱)

اس حدیث کی مذکورہ بالا سند میں عبداللہ بن عامر طائی اور ان کے والد عامر کذاب ہیں، جس کی وجہ سے یہ حدیث موضوع کے درجے میں آجاتی ہے، لہذا یہ سند قابل قبول نہیں، جب تک کہ کوئی مقبول سند نہیں ملتی کوئی فیصلہ کرنا مشکل ہے، چنانچہ علامہ سہابی اس حدیث کی تحریر میں تحریر فرماتے ہیں:

«فأجبت: قد وقفت على الجزء المشار إليه ورأيت فيه من الزيادة على ما هنا عزو الحديث الأول والثاني إلى النجاء، وقد ذكر القرطبي في تذكرتها لحديث الأول وعزاه لتخريج السلفي. وأسنده صاحب «مسند الفردوس» أيضاً كلاهما من طريق عبد الله بن أحمد بن عامر الطائي عن أبيه عن علي، فذكره، لكن عبد الله وأبوه كذابان، ولو أن لهذا الحديث أصلاً لكان حجة في موضع النزاع ولا ترتفع الخلاف، ويمكن أن تخريج الدارقطني له في «الأفراد» لأنه لا وجود في «سننه». والله أعلم» (۲)

(۱) فضائل سورة الإخلاص ۱/ ۵۴، وأخرجه الرافعي في «التدوين في أخبار فزوين» ۲/ ۲۹۷ بنسب السند، ونقل عنه في «كشف الخفاء ومزيل الإلباس» ۲/ ۲۸۲/۲.

(۲) الأجوبة المرضية ۱/ ۱۶۹-۱۷۰.

[۵] پانچویں حدیث: قبرستان میں سورت فاتحہ، سورت اخلاص اور سورت تکوین پڑھنا:

وأخرج أبو القاسم سعد بن علي الزنجاني في «فوائد» عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: من دخل المقابر ثم قرأ «فاتحة الكتاب»، و«قل هو الله أحد»، و«المنكّم أكاذيب»، ثم قال: إني جعلت ثواب ما قرأت من كلامك لأهل المقابر من المؤمنين والمؤمنات، كانوا شفعاء إلى الله تعالى. (۱)

[ترجمہ:] ”حضور ﷺ نے فرمایا: جو قبرستان جائے اور وہاں سورۃ فاتحہ، سورۃ اخلاص اور سورۃ تکوین پڑھے، اور اس کے بعد یہ کہے کہ میں اسی کلام اللہ کے ثواب کو قبرستان کے تمام ایمان والوں مردوں اور عورتوں کو بخشاؤں، تو یہ تمام لوگ قیامت کے دن اس کی اللہ کے ہاں شفاعت کریں گے۔“

یہ روایت علامہ زنجانی نے اپنی کتاب ”فوائد“ میں نقل کی ہے، علامہ زنجانی سے مراد علامہ سعد بن علی بن محمد زنجانی ہے، جن کی ولادت ۸۰۸ھ سے ہے، اور وفات ۸۴۰ھ سے ہے۔ یہ حفاظ حدیث میں سے تھے، اسی وجہ سے علامہ زنجانی نے ان کا ذکر وہابی کتاب ”تذکرۃ الحفاظ“ میں کیا ہے، اور علامہ زنجانی نے ”سیر أعلام النبلاء“ میں

ان کا ذکر وہ ان الفاظ میں کیا ہے: ”الإمام العلامة الحافظ القدوة العابد شيخ الحرم“ (۱)

علامہ زنجانی نے جس سند کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے، معلوم نہیں وہ کس درجے کی ہے کیونکہ وہ ہمارے سامنے نہیں۔ جبکہ علامہ سیوطی اور ملا علی قاری نے اس کی سند نقل نہیں کی۔

[۶] چھٹی حدیث: انصار صحابہ کرام کے قبر کے پاس سورت بقرہ پڑھتے تھے:

«أخبرنا أبو يعقوب الناقد، قال: حدثنا سفيان بن وكيع، قال: حدثنا حفص، عن مجالد، عن الشعبي، قال: «كانت الأنصار إذا مات لهم الميت اختلّفوا إلى قبره يقرءون عنده القرآن» (۲)

[ترجمہ:] ”حضرت شعیبیؒ فرماتے ہیں کہ انصار صحابہ کرام کے ہاں جب کوئی فوت ہو جاتا، تو وہ اس کے قبر کے پاس آتے تھے اور قرآن کی تلاوت کرتے تھے۔“

اور ”مصنف ابن أبي شيبة“ میں اس روایت کے الفاظ مختلف ہیں، ملاحظہ ہو: حدثنا حفص بن غياث عن مجالد عن الشعبي، قال: «كانت الأنصار يقرءون عند الميت سورة البقرة» (۱)

(۱) سیر أعلام النبلاء ۱۸۰/۲۸۵

(۲) القراءة عند القبور للخلال ص ۸۹

(۱) شرح الصدور للسيوطي ص ۱۳۰ ومزقاة الفاتح للقراري ۱۷۳/۴

جس کا ترجمہ ہے: "کہ انصار صحابہ کرام میت کے پاس سورت بقرہ پڑھتے تھے" علامہ البانیؒ نے اسی بنا پر اس روایت کے بارے میں لکھا ہے، کہ اس سے قبر کے پاس قرآن کا جواز ثابت نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ "مصنف ابن ابی شیبہ" کی اس روایت میں مذکور ہے، قبر کا ذکر نہیں، اور علامہ ابن ابی شیبہؒ نے اس حدیث پر جو باب باندھا ہے، اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ نزاع کی حالت میں میت کے پاس کیا پڑھنا چاہیے؟ نیز اس روایت کی سند بھی ضعیف ہے، کیونکہ محالہ راوی ضعیف ہے، علامہ البانیؒ کی عبارت ملاحظہ ہو:

"ومثل هذا الأثر ما ذكره ابن القيم أيضا [۱۴]: وذكر الخلال عن الشعبي، قال: «كانت الأنصار إذا مات لهم الميت اختلفوا إلى قبره يقرءون القرآن» فنحن في شك من ثبوت ذلك عن الشعبي بهذا اللفظ خاصة، فقد رأيت السيوطي قد أوردته في «شرح الصدور» [۱۵] بلفظ: «كانت الأنصار يقرءون عند الميت سورة البقرة». قال: «رواه ابن أبي شيبة والموزي، أوردته في باب ما يقول الإنسان في مرض الموت، وما يقرأ عنده» ثم رأيت في «المصنف» لابن أبي شيبة [۷۴/۴] وترجم له بقوله: باب ما يقال عند المريض إذا حضر» فتبين أن في سنده مجالدا وهو ابن أبي سعيد، قال الحافظ في «التقريب»: «ليس بالقوي، وقد تغير

حفظه في آخر عمره»، فقطهر بهذا أن الأثر ليس في القراءة عند القبر، بل عند الاحتضار، ثم هو على ذلك ضعيف الإسناد۔^(۱)

اس کا جواب یہ ہے کہ "مصنف ابن ابی شیبہ" کی روایت اور امام غلالؒ کی روایت کے الفاظ یکو زیادہ ہی مختلف نہیں ہیں، کہ ان میں کوئی تضاد ہو، کیونکہ "مصنف ابن ابی شیبہ" کی روایت میں اختصار ہے اور امام غلالؒ کی روایت میں تفصیل اور صراحت ہے، اور چونکہ میت کا اطلاق قریب الموت اور مردے دونوں پر ہوتا ہے، لہذا علامہ ابن ابی شیبہؒ نے اس حدیث پر یہ باب قائم کیا ہے کہ نزاع کی حالت میں میت کے پاس کیا پڑھنا چاہیے؟

باقی رہی یہ بات کہ یہ روایت ضعیف ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت اگرچہ ضعیف ہے تاہم اس سے ایک ثابت شدہ امر کی توثیق ہوتی ہے، قبر کے پاس قرآن پڑھنے کا جواز ثابت ہے۔ پھر خاص طور سے اس روایت میں یہ ہے کہ انصار صحابہ کرام میت کی قبر کے پاس سورۃ بقرہ کی تلاوت کرتے تھے، اور پیچھے تفصیل کے ساتھ وہ احادیث گذر چکی ہیں، جن میں دوسرے نوع حدیثیں ہیں، اور ایک موقوف حدیث ہے جس میں قبر کے پاس سورۃ بقرہ پڑھنے کے جواز کا ذکر ہے، گویا اس کے نتیجے میں صحابہ کرام میں اس کے پڑھنے کا خاص اہتمام تھا، لہذا اگرچہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے، تاہم گذشتہ احادیث سے اس کو تقویت ضرور حاصل ہوتی ہے۔

وقال العلامة محمود سعيد ممدوح:

«وفي إسناده مجالد بن سعيد، وهو صالح في المتابعات والشواهد، وأخرج له مسلم في صحيحه مقروناً بغيره في كتاب الطلاق، باب المطلقة البائن لا تنفقه لها. وهذا أثر، وهم يتساهلون في مثل هذه الأسانيد، وعامر بن شراحيل أدرك الكثيرين من أكابر الصحابة رضي الله عنهم، وقال العجلي: وسمع ثمانية وأربعين من الصحابة، وعليه فقول الشعبي: «كانت الأنصار...» يحتمل أن يكونوا جبهة من الصحابة والتابعين. والله أعلم بالصواب»^(۱)

وقال العلامة الغباري: «وقال الخراطبي في «كتاب القبور»: سنة في الأنصار، إذا حلوا الميت أن يقرأوا معه سورة البقرة»^(۲)

☆☆☆

[۸-۷] ساتویں، آٹھویں حدیث:

تین ڈھیلوں پر سورۃ اخلاص یا سورۃ قدر پڑھ کر میت کے سر ہانے رکھنا:

”قنوی امداد الحکام“ میں ایک سوال و جواب میں دو احادیث کا ذکر ہے،

مبلی حدیث:

(۱) كشف المستور ص ۲۳۸-۲۳۹.

(۲) إتيان الصنعة ص ۱۱۴.

«أخرج الحاكم عن أنس بن مالك أنه قال قال رسول الله ﷺ: من أخذ سبعة حصاة أو ملد يقرأ على كل واحد ﴿مَنْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ ثلاثاً ثم يضعها جانب رأس الميت ينجه الله تعالى من عذاب القبر الخ»
اور دوسری حدیث:

«من أخذ من تراب القبر بيده وقرأ عليه ﴿سُورَةُ الْقَدْرِ﴾ سبعاً وتركه في القبر لم يعذب صاحب القبر».

لیکن چونکہ ان دونوں روایات کی کوئی سند نہیں ملی، اس لیے ان پر کوئی حکم نہیں لگایا جاسکتا، اور جب تک کہ ان کی سند کا علم نہیں ہو جاتا، اس وقت تک اس پر عمل نہیں کیا جاسکتا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ”قنوی امداد الحکام“ کا سوال و جواب بیحد پیش کیا جائے۔

”سوال: بعد سلام مسنون کے عرض یہ ہے کہ آجناپ جس وقت خلع سورت میں موضع دراپہ میں تحریف لائے تھے، اس وقت ہم خادمان آجناپ کی ملاقات کے لیے آئے تھے، اور جس وقت آپ ڈائجیل جا رہے تھے، اس وقت آپ سے یہ سوال کیا تھا، کہ میت کے سر ہانے قل کے ڈھیلے رکھتے ہیں، سورت اخلاص تین بار یا سات بار پڑھ کر ڈھیلے پر دم کرتے ہیں، اور میت کے سیدھے بازو پر رکھتے ہیں، یہ جائز ہے یا نہیں؟ تو آجناپ نے فرمایا تھا کہ اس کی کچھ اصل نہیں ہے، جناب نے آپ کے قول کو میں برابر قبول کر رہا ہوں، کوئی بھی تحریر آپ کے نام کی ہوتی ہے اس کو بصدق دل قبول کرتا ہوں، مگر جناب میں نے کتاب تشریح القرآن ترجمہ شرح برزخ ص ۷۷ میں یہ حدیث لکھی ہوئی

دیکھی ہے، تو آیا یہ حدیث قابل اعتبار ہے یا نہیں؟ کیونکہ حدیث کا پہلا ناپ کا ہی کام ہے۔

«أخرج الحاكم عن أنس بن مالك أنه قال قال رسول الله ﷺ: من أخذ سبعة حصاة أو مدر يقرأ على كل واحد قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ثلاثاً ثم يضعها جانب رأس الميت ينجيه الله تعالى من عذاب القبر الخ»
تو جناب آپ نے «مستدرک حاکم» کی یہ حدیث دیکھی ہے یا نہیں؟ ہمارے مرشد مولانا حامی مولوی محمد الدین صاحب مجددی بھروی کے پاس یہ کتاب ہے، مگر تھوڑی مدت کے لیے حیدرآباد دکن سے آئی ہے، مگر جلد نہرا نہیں آئی، اس واسطے اس میں دیکھنے کا موقع نہیں۔۔۔ مولانا صاحب آجناب طاقت کے واسطے آنے کا قصد کرتے تھے، مگر بیماری اس وقت مکان میں زیادہ تھی، جناب یہ غلام اچھی طرح کوشش کر کے کر دیں؟»

الجواب:

«مستدرک حاکم» جلد اول ہمارے پاس ہے، اس میں «کتاب الجنائز» و «کتاب فضائل القرآن» موجود ہے، یہ حدیث اس میں کہیں نہیں ملی، «کنز العمال» میں بھی مختلف مقامات میں تلاش کیا، مگر کہیں یہ حدیث نظر سے نہیں گذری، ہاں «طہطاوی حاشیہ مراقیہ الفلاح» میں یہ لکھا ہے: «وفی کتاب

التورین: ^(۱) «من أخذ من تراب القبر بيده وقرأ عليه ﴿سورة الفدر﴾ سبعاً وتركه في القبر لم يعذب صاحب القبر»، ذكره السيد الخ [ج ۱/ ۳۵۶]۔

اور «أوائل سورة البقرة وأواخرها» کا قبر میں مردے کے سرانے کی طرف اور پیروں کی طرف پڑھنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، ذکرہ فی «شرح الصدور» اشعثان ۳۳۳ ^(۲)۔

☆☆☆

[۹] نویں حدیث قبر پر ملنے والے ہوئے آیت ﴿وَبِنَا خَلَقْتُمْ وَبِنَا يُبَدِّلُكُمْ وَبِنَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَى﴾ پڑھنا:

حضور ﷺ سے ایک حدیث میں یہ ثابت ہے کہ آپ نے اپنی بیٹی حضرت ام کلثوم کے قبر میں رکھنے کے بعد قرآن کی یہ آیتیں تلاوت فرمائی: ﴿وَبِنَا خَلَقْتُمْ وَبِنَا يُبَدِّلُكُمْ وَبِنَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَى﴾۔ یہ دوسری حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے قبر کے سرانے تین دفعہ مٹی ڈالی، یہ دونوں حدیثیں ملاحظہ ہو۔

حافظ ابن حجر تحریر فرماتے ہیں:

(۱) «کتاب التورین فی إصلاح الدارین» ابو حامد محمد بن عبد الرحمن بن عمر عیسیٰ شافعی صوفی ۸۹۱ھ کی کتاب ہے، ملاحظہ ہو: [إيضاح المكنون ۲/ ۶۸۹]۔

(۲) امداد الکاظم ۱/ ۲۸۷-۲۸۸

«وعن أبي أمامة رواه الحاكم أيضا والبيهقي، وسنده ضعيف،
ولفظه: ﴿يُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَعْمَلُونَ فِيكُمْ وَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَعْمَلُونَ فِيكُمْ﴾، بسم
الله وفي سبيل الله وعلى ملة رسول الله. الحديث»^(۱)

اور دوسری روایت «سنن ابن ماجہ» میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ صلى على جنازة ثم
أتى القبر فحشى عليه من قبل رأسه ثلاثاً»^(۲)

علامہ نووی اپنی کتاب "خلاصة الأحكام" (۱۰۱۹/۲) میں اس روایت
کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس کی سند جیسے ہے اور اس کا ایک شاہد بھی ہے، ان کے
الفاظ ہیں:

«رواه ابن ماجه بإسناد جيد، وله شاهد ضعيف عند البيهقي من
حديث عامر بن ربيعة، وذكر له شاهدة آخر من حديث جعفر بن
محمد، عن أبيه مرسلاً»^(۳) ☆☆☆

(۱) التلخيص الحبير ۱/۴، ۱۲۳۱۔ اس روایت کے لئے ملاحظہ ہو: «مستدرک حاکم»
۳۷۹/۲، «السنن الکبریٰ» ۴۰۹/۳۔

(۲) سنن ابن ماجہ حدیث نمبر: ۱۵۶۵ کتاب الجنائز، باب ما جاء في حشو التراب
في القبر۔

(۳) بحوالہ: رد المحتار طبع جدید، تعلیق الغرر فور ۵/۳۳۷۔

قبرستان میں قرآن پڑھنے کی ممانعت کی حدیث

اس بحث کے سلسلے میں مطالعہ کے دوران بندہ کو کوئی حدیث یا روایت ایسی نہیں ملی
کہ جس میں قبرستان یا قبر کے پاس قرآن پڑھنے سے منع کیا گیا ہو، اور اس مذہب کے حامی
حضرات نے اس سلسلے میں کوئی ایسی حدیث یا روایت پیش کی ہے، البتہ ایک غیر صریح
روایت سے بعض حضرات نے استدلال کیا ہے، اور یہ ہے:

«لا تجعلوا بيوتكم مقابر، فإن الشيطان يفر من البيت الذي يقرأ
فيه سورة البقرة»۔

[ترجمہ: "نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، کیونکہ
شیطان اس گھر سے بھاگتا ہے جس میں سورۃ بقرہ کی تلاوت ہوتی ہے۔"]

اس حدیث سے اس طرح استدلال کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ
گھروں میں قرآن کی تلاوت کیا کرو، ان سے قبرستان نہ بناؤ، جہاں قرآن کی تلاوت جائز
نہیں۔ یہ استدلال اس طرح ہے جس طرح کہ ایک موقع پر امام بخاری نے اس حدیث:
«صلوا في بيوتكم ولا تتخذوها قبوراً» (گھروں میں نماز پڑھا کرو اور ان سے

اس سے متعلق روایات کے لئے ملاحظہ ہو: «معرفة السنن والآثار» للبيهقي
۱۸۶/۳، ۱۸۷، «سنن الدارقطني» ۴۴۰/۲، «التلخيص الحبير»
۱۲۳۴-۱۲۳۶ (مصنف ابن أبي شيبة) ۷/۳۳۶-۳۳۸۔

قبرستان نہ بنائے سے یہ استدلال کیا ہے کہ قبرستان میں نماز مکروہ ہے، انہوں نے اس حدیث پر یہ باب قائم کیا ہے "باب کراهية الصلاة في المقابر".

قبرستان میں قرآن پڑھنے کی ممانعت کے بارے میں یہ استدلال علامہ البانی نے کیا ہے، چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

«وما يقوي عدم المشروعية قوله ﷺ: (لا تجعلوا بيوتكم مقابر، فإن الشيطان يفر من البيت الذي يقرأ فيه سورة البقرة)». أخرجه مسلم ۱۸۸/۲، والترمذي ۴۲/۴ وصححه وأحمد ۲/۲، ۲۸۴، ۳۳۷، ۸۷۳، ۳۸۸ من حديث أبي هريرة.

ولہ شاهد من حدیث الصلصال بن الدلمس۔ رواہ البیہقی فی «الشعب» کیا فی «الجامع الصغير». فقد أشار (ﷺ) إلى أن القبور ليست موضعاً للقراءة شرعاً، فلذلك حض على قراءة القرآن في البيوت ونهى عن جعلها كالمقابر التي لا يقرأ فيها، كما أشار في الحديث الآخر إلى أنها ليست موضعاً للصلاة أيضاً، وهو قوله: «صلوا في بيوتكم، ولا تتخذوها قبوراً». أخرجه مسلم ۱۸۷/۲ وغيره عن ابن عمر، وهو عند البخاري بنحوه، وترجم له بقوله: ب «باب كراهية الصلاة في المقابر» فأشار به إلى أن حديث ابن عمر يفيد كراهية الصلاة في المقابر، فكذلك حديث أبي هريرة يفيد كراهية قراءة القرآن في المقابر، ولا فرق. (وقد استدل جماعة من العلماء بالحديث على ما استدلل به

البخاري، وأيدہ الحفاظ في «شرحہ»، وقد ذكرت كلامه في المسألة الآتية: (رقم ۱۲۸ فقرہ ۷)۔^(۱)

استدلال کا جواب:

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس حدیث کے ظاہر سے یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ قبرستان میں قرآن مجید کا پڑھنا منع ہے، اس کے ظاہر سے فقط یہ معلوم ہوتا ہے کہ گھر میں قرآن مجید کی تلاوت کرنی چاہیے، اسی طرح دوسری حدیث کے ظاہر سے بھی یہ بات معلوم نہیں ہوتی ہے کہ قبرستان میں نماز پڑھنا منع ہے، اس کے ظاہر سے فقط یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ گھروں میں نماز پڑھا کرو۔ اہل علم کی اصطلاح میں اس کو تخصیص و تصریح کہتے ہیں، البتہ ان دونوں حدیثوں میں ایک جانب مخالف کا بھی احتمال ہے، کہ مراد یہ ہو کہ قبرستان میں قرآن کی تلاوت اور نماز نہ پڑھا کرو، لیکن اس احتمال کے ساتھ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مراد نہ ہو۔

یہاں وجہ ہے کہ امام بخاریؒ کے اس طرز استدلال پر قاضی عیاضؒ اور علامہ ابن التیمنیؒ نے اعتراض کیا ہے، چنانچہ قاضی عیاضؒ لکھتے ہیں:

«وقد تأوله البخاري لا يجعلوها كالمقابر التي لا تجوز الصلاة فيها، وترجم عليه كراهة الصلاة في المقابر، والأول هو المعنى، لا هذا»۔^(۲)

اور علامہ ابن التیمنیؒ فرماتے ہیں:

(۱) أحكام الجنائز ص ۱۹۱-۱۹۲.

(۲) مشارق الأنوار على صحاح الآثار ۲/۱۶۹.

«وقال ابن التين: تأوله البخاري على كراهية الصلاة في المقابر وتأوله جماعة على أنه إنما فيه التنب إلى الصلاة في البيوت إذ الموتى لا يصلون كأنه قال لا تكونوا كالمتي الذين لا يصلون في بيوتهم وهي القبور قال فأما جواز الصلاة في المقابر أو المنع منه فليس في الحديث ما يؤخذ منه ذلك»^(۱)

اور حافظ ابن حجر نے تو اس بات کو مزید واضح کیا ہے، چنانچہ وہ علامہ ابن التین ہی اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

«قلت: إن أراد أنه لا يؤخذ منه بطريق المنطوق فمسلم وإن أراد نفي ذلك مطلقا فلا، فقد قدمنا وجه استنباطه»^(۲)

الغرض یہ صرف احتمالی بات ہے، مضبوط اور صریح استدلال نہیں ہے۔ اس کے علاوہ امام بخاری کے استدلال میں پھر بھی قوت ہے، کیونکہ ایک دوسری صریح حدیث ان کی تائید کرتی ہے، اور وہ یہ ہے: «الأرض كلها مسجد إلا المقبرة والحمام» (تمام زمین مسجد ہے، سوائے قبرستان اور حمام کے)۔ یہ حدیث ترمذی اور ابوداؤد میں ہے، یہ چونکہ امام بخاری کی شرط کے مطابق نہیں تھی، لہذا ممکن ہے اس کے جلیوتے پر انہوں نے کراہت کا حکم لگا دیا۔

چنانچہ حافظ ابن حجر تحریر فرماتے ہیں:

(۱) فتح الباری ۱/۶۹۶۔

(۲) فتح الباری ۱/۶۹۶۔

«قوله باب كراهية الصلاة في المقابر استنبط من قوله في الحديث ولا تتخذوها قبورا أن القبور ليست بمحل للعبادة فتكون الصلاة فيها مكروهة وكأنه أشار إلى أن ما رواه أبو داود والترمذي في ذلك ليس على شرطه وهو حديث أبي سعيد الخدري مرفوعا: «الأرض كلها مسجد إلا المقبرة والحمام» رجاله ثقات لكن اختلف في وصله وإرساله وحكم مع ذلك بصحته الأحكام وابن حبان»^(۱)

اور جو استدلال علامہ البانی نے کیا ہے، اس کے بارے میں ایک بھی صریح حدیث ہمیں نہیں ملی، جو ان کی تائید کرے، جبکہ اس کے برخلاف جواز کے بارے میں کئی احادیث ہیں، اور صحابہ کرام کا عمل بھی ہے، جیسا کہ تفصیل سے پیچھے گزر گیا۔ اس کے علاوہ اس حدیث کی تفسیر میں کسی معتبر شارح نے وہ تفسیر بھی نہیں کی ہے، جو علامہ البانی نے کی ہے۔

☆☆☆

(۱) فتح الباری ۱/۶۹۶۔

{مذہب اربعہ}

فقہ حنفی کی روشنی:

قبر کے پاس قرآن پڑھنا اور امام ابو حنیفہؒ، صاحبینؒ

بہت تلاش کے بعد بھی ایسی کوئی روایت نہیں ملی، جس میں امام ابو حنیفہؒ یا صاحبینؒ سے قبر کے پاس قرآن پڑھنے کے جو اہتمام جو اذکار ہو، اس کے لیے بندہ نے دیگر کتابوں کے علاوہ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی کتابوں کی طرف بھی رجوع کیا۔

علامہ طاہر بن رشیدؒ کا حوالہ:

البتہ فقہاء حنفیہ میں سے علامہ طاہر بن رشیدؒ متوفی [۵۳۴ھ] کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک قبر کے پاس قرآن پڑھنا مکروہ ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک جائز ہے، اور مشائخ حنفیہ نے امام محمدؒ کے قول کو اختیار کیا ہے۔

ان کی عبارت ملاحظہ ہو:

«رجل أجلس على قبر أخيه رجلا يقرأ القرآن يكره عند أبي حنيفة، وعند محمد لا يكره، ومشائخنا أخذوا بقول محمد» (۱)

لیکن اس عبارت میں یہ بات قابل غور ہے، کہ امام صاحب اور امام محمدؒ کا یہ اختلاف قبر کے پاس قرآن پڑھنے کے بارے میں ہے، یا اس خاص قسم کی کیفیت کے بارے میں

ہے، یا ظاہر عبارت سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس خاص صورت سے متعلق ہے، واللہ اعلم

علامہ ابن تیمیہؒ کا حوالہ:

علامہ طاہر بن رشیدؒ متوفی [۵۳۴ھ] کے بعد علامہ ابن تیمیہؒ متوفی [۷۲۸ھ] نے بھی امام ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ نقل کیا ہے، کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک قبر کے پاس قرآن پڑھنا مکروہ ہے، شاید علامہ ابن تیمیہؒ نے علامہ ابن رشیدؒ کی مذکورہ بالا عبارت کی بناء پر یہ مذہب ان کی طرف منسوب کیا ہے، ان کی عبارت تفصیل کے ساتھ "مذہب حنفی" کے تحت آجائے گی، یہاں صرف حلقہ عبارت ملاحظہ ہو:

«والثانية: أن ذلك مكروه ... وهي مذهب جمهور السلف كابن حنيفة» (۱)

اور دوسری جگہ لکھتے ہیں:

«وقد تنازع الناس في القراءة عند القبر فكرها أبو حنيفة» (۲)

علامہ ابن تیمیہؒ نے اس کے ساتھ یہ بھی ذکر کیا ہے کہ حنفیہ کی ایک جماعت کے نزدیک قبر کے پاس قرآن پڑھنا جائز ہے، ملاحظہ ہو:

(۱) اقتضاء الصراط المستقیم ۷۳۶/۲

(۲) فتاویٰ ابن تیمیہ ۳۱۷/۲۴

(۱) خلاصۃ الفتاویٰ ۳۴۴/۴

«إحذاه: أن ذلك لا بأس به. وهي... وقول جماعة من أصحاب أبي حنيفة»^(۱)

علامہ ابن ابی العز کا حوالہ:

علامہ ابن تیمیہ رضی اللہ عنہ کے بعد علامہ ابن ابی العز رضی اللہ عنہ [۷۲۸ھ / ۱۳۲۷ء] نے علامہ ابن تیمیہ رضی اللہ عنہ کی "اقتضاء الصراط المستقیم" عبارت کا خلاصہ اپنی کتاب "شرح العقیلة الطحاویة" میں ذکر کیا ہے، اس میں اس بات کی تصریح ہے کہ امام محمد کے نزدیک یہ جائز ہے، ان کی پوری عبارت ملاحظہ ہو:

«واختلف العلماء في قراءة القرآن عند القبور على ثلاثة أقوال: هل تكره أم لا بأس بها وقت الدفن وتكره بعده؟ فمن قال بكرهتها كأبي حنيفة ومالك وأحمد في رواية قالوا: لأنه محدث لم ترد به السنة، والقراءة تشبه الصلاة والصلاة عند القبور منهي عنها فكذلك القراءة. ومن قال لا بأس بها كمحمد بن الحسن وأحمد في رواية استدلوا بها نقل عن ابن عمر رضي الله عنه أنه أوصى أن يقرأ على قبره وقت الدفن بفواتح سورة البقرة وخواتمها. ونقل أيضا عن بعض السلف ومن قال: لا بأس بها وقت الدفن فقط وهو رواية عن أحد أخذ بها نقل عن ابن عمر وبعض المهاجرين. وأما بعد ذلك كالذين يتناوبون القبر للقراءة عنده فهذا خروج فإنه لم تأت به السنة ولم ينقل عن أحد من

السلف مثل ذلك أصلا. وهذا القول لعله أقوى من غيره، لما فيه من التوفيق بين الدليلين»^(۱)

علامہ ابن ابی العز رضی اللہ عنہ کی اس عبارت کو ملاحظہ کیجیے اور پھر علامہ ابن تیمیہ رضی اللہ عنہ کی عبارت کے ساتھ اس کا مقابل کیجیے، صاف واضح ہو جائے گا کہ علامہ ابن ابی العز رضی اللہ عنہ نے اس کا اختصار پیش کرنے کی کوشش کی ہے، علامہ ابن ابی العز رضی اللہ عنہ کے علاوہ بھی اپنی تصانیف میں علامہ ابن تیمیہ سے بہت استفادہ کرتے ہیں، اور ان کے بعض شاؤ آزاد اور تفرقات کے بھی فکرمند ہو گئے ہیں، اس لیے ان کی تصانیف کے مطالعہ کے وقت اس بات کا خیال رکھنا چاہیے، ہمارے فاضل اور محقق دوست مولانا سجاد بن المجاہد صاحب [مردان، فاضل جامعہ فاروقیہ کراچی] کا مقالہ "شرح عقیدہ حمادیہ تالیف ابن ابی العز پر ایک تحقیقی نظر" اس سلسلہ میں مفید ہو گا، جو ہمارے دقیق المدارس ملکان اور ماہرہ المہرہ کراچی میں چھپ چکا ہے۔

ملاحظہ فرمائیے کا حوالہ:

علامہ ابن ابی العز رضی اللہ عنہ کے بعد علامہ ملاحظہ فرمائیے رضی اللہ عنہ [۱۰۱۳ھ] نے "شرح فقہ اکبر" میں علامہ ابن ابی العز رضی اللہ عنہ کی عبارت کا خلاصہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے، ان کی عبارت یہ ہے:

«ثم القراءة عند القبور مكروهة عند أبي حنيفة ومالك وأحمد رحمهم الله في رواية؛ لأنه محدث لم ترد به السنة. وقال محمد بن الحسن

(۱) اقتضاء الصراط المستقیم ۲/ ۲۳۷.

(۱) شرح العقیلة الطحاویة ص ۴۶۵-۴۶۶.

وأحد في رواية: لا يكره؛ لما روي عن ابن عمر رضي الله عنه أنه أوصى أن يقرأ على قبره وقت الدفن بفواتح سورة البقرة وخواتمها. والله سبحانه وتعالى أعلم.^(۱)

علامہ ملا علی قاری حنفی کی اس مسئلہ سے متعلق دیگر عبارات آگے ہم ذکر کریں گے، جس سے واضح ہو جائے گا کہ ان کا مسلک کیا ہے؟

علامہ قرانی کا حوالہ:

ان تمام عبارات میں امام ابو حنیفہ کا مسلک کراہت کا نقل کیا گیا ہے، ان سب سے مختلف علامہ قرانی مالکی حنفی [۷۸۳ھ] نے امام ابو حنیفہ کا مسلک جواز کا نقل کیا ہے، ان کی عبارت ملاحظہ ہو:

«مذهب أبي حنيفة وأحمد بن حنبل أن القراءة يحصل ثوابها للميت، وإذا قرئ عند القبر حصل للميت أجر المستمع».^(۲)

احناف کا مفتی بہ مسلک:

اس مسئلہ سے متعلق حنفیہ کے مفتی اول کے اکابر جیسے امام ابو حنیفہ اور صاحبین سے مکمل صراحت کے ساتھ توجہ زیادہم جو ان کے بارے میں کچھ ملاحظیں ہے، جس کی بنا

(۱) شرح الفقہ الاکبر ص ۱۳۱ طبع قدیمی کتب خانہ کراچی.

(۲) الفروق للقرانی ۱۹۲/۳ بحوالہ تحقیق الأمال فیما یقع المیت من الأعمال

پر پورے وثوق کے ساتھ کچھ کہا جائے، یعنی بات کتابوں میں موجود حنفی وہ نقل کر دی گئی، البتہ یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ متاخرین احناف نے صراحت کے ساتھ قبر کے پاس قرآن پڑھنے کو جائز قرار دیا ہے، اور اسی کو مفتی بہ کہا ہے، چنانچہ حنفیہ میں سے (۱) علامہ قاضی خان (۲) علامہ ابن ہمام (۳) علامہ ابن قیم (۴) ملا علی قاری (۵) علامہ شرنبلالی (۶) علامہ شامی وغیرہ، ان سب حضرات نے صاف الفاظ میں قبر کے پاس قرآن پڑھنے کو جائز قرار دیا ہے، ان کی عبارات تفصیل سے ملاحظہ ہو:

علامہ کاسانی حنفی [۵۸۷ھ] کا حوالہ:

(۱) علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں:

«وعليه عمل المسلمين من لدن رسول الله ﷺ إلى يومنا هذا من زيارة القبور وقراءة القرآن عليها والتكفين والصدقات والقصوم والصلاة وجعل ثوابها للأموات».^(۱)

علامہ قاضی خان حوالہ:

(۲) علامہ حسن بن منصور قاضی خان حنفی [۵۹۲ھ] تحریر فرماتے ہیں:

«وإن قرأ عند القبور إن نوى بذلك أن يؤنسهم صوت القرآن فإنه يقرأ، فإن لم يقصد ذلك فالله تعالى يسمع قراءة القرآن حيث كانت».^(۱)

علامہ ابن ہمام کا حوالہ:

(۳) علامہ محمد بن عبدالواحد بن ہمام متوفی (۸۶۱ھ) تحریر فرماتے ہیں:

«اولیٰ ما رواہ ایضاً عن علی عنہ ﷺ أنه قال: من مر بالمقابر وقرأ: ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ إحدى عشرة مرة، ثم وهب أجرها للأموات أعطي من الأجر بعدد الأموات» (۱)

اور ایک دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

«ويكره النوم عند القبر وقضاء الحاجة بل أولى وكل ما لم يعهد من السنة والمعهود منها ليس إلا زيارتها والدعاء عندها قائماً كما كان يفعل ﷺ في الخروج إلى البقيع ويقول: السلام عليكم دار قوم مؤمنين وإنا إن شاء الله بكم لاحقون أسأل الله لي ولكم العافية. واختلف في إجلال المقارئين ليقروا عند القبر، والمختار عدم الكراهة».

علامہ ابن قیم کا حوالہ:

(۳) علامہ زین الدین ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ (۷۵۰ھ) تحریر فرماتے ہیں:

(۱) فتاویٰ قاضی خان ۳/ ۴۲۲، ونقل عنه في الفتاوى الهندية ۴/ ۳۷۷. وراجع سباحة الفكر بالجمهور بالذكر ص ۸۲، للعلامة اللكنوي، بتحقيق العلامة أبو غدة.

(۲) فتح القدير شرح الهداية لابن همام ۳/ ۶۵، المجلع عن الغير.

«ولا بأس بقراءة القرآن عند القبور وربما تكون أفضل من غيره ويجوز أن يخفف الله شيئاً من عذاب القبر أو يقطع عنه دعاء القارئ وتلاوته. وفيها ورد آثار: «من دخل المقابر فقرأ سورة يس خفف الله عنهم يومئذ وكان له بعدد من فيها حسنة». وفي «فتح القدير»: ويكره عند القبر كل ما لم يعهد من السنة والمعهود منها ليس إلا زيارتها والدعاء عندها قائماً كما كان يفعل ﷺ في الخروج إلى البقيع» (۱)

بعض کتابوں میں علامہ ابن ہمام کا یہ قول: «ويكره عند القبر كلما لم يعهد من السنة والمعهود منها ليس إلا زيارتها والدعاء عندها قائماً» نقل کیا گیا ہے، اور اس سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ قبر کے پاس قرآن پڑھنا بھی ثابت نہیں لہذا یہ بھی مکروہ ہے، لیکن اول قبر کے پاس قرآن پڑھنا ثابت ہے، نیز علامہ ابن ہمام کی اس تصریح کے بعد کہ قبر کے پاس قرآن پڑھنا مکروہ نہیں ہے، پھر ان کی اس مجمل عبارت کو نقل کرنا اور قبر کے پاس قرآن پڑھنے کے عدم جواز کے لیے دلیل بنانا قابل غور ہے۔

ملاطی قادری کا حوالہ:

(۵) علامہ ملاطی قادری متوفی (۱۰۱۳ھ) کی ایک عبارت «شرح فقہ اکبر» کے حوالے سے اور دوسری «حرر شمعین شرح حصن حصین» کے حوالے سے پیچھے گزر چکی ہیں، یہاں ان کی ایک اور کتاب کا حوالہ دیا جاتا ہے، موصوف «شرح لباب المناسک» میں زیارت قبور کے مسئلے کے تحت لکھتے ہیں:

(۱) البحر الرائق شرح كنز الدقائق ۲/ ۱۹۵، ۱۹۶.

«فینبغي أن يزورهم ويترك بهم ويسلم عليهم ويكثر قراءة القرآن حوهم ويكثر الدعاء والاستغفار لهم ولغيرهم من المسلمين ... ثم من آداب زيارة القبور مطلقاً ما قالوا من أنه يأتي الزائر من قبل رجل المتوفى لا من قبل رأسه، فإنه أتعب لبصر الميت بخلاف الأول؛ لأنه يكون مقابل بصره ناظر إلى جهة قدمه إذا كان على جنبه، لكن هذا إذا أمكنه وإلا فقد ثبت أنه ﷺ قرأ أول سورة البقرة عند رأس الميت وأخراها عند رجليه ... وقرأ من القرآن ما يسر له من الفاتحة وأول البقرة إلى المفلحون وآية الكرسي وآمن الرسول وسورة يس وتبارك الملك وسورة التكاثر والإخلاص اثني عشر مرة أو إحدى عشرة أوسبعاً أو ثلاثاً، ثم يقول: أوصل ثواب ما قرأنا إلى فلان أو إليهم»^(۱)

اس عبارت میں ملا علی قاری نے قبر کے پاس قرآن کی تلاوت کے جو اڑکی تصریح کی ہے، البتہ انہوں نے جو یہ لکھا ہے کہ: «فقد ثبت أنه ﷺ قرأ أول سورة البقرة» قریہ بات محل غور ہے، کیونکہ حدیث میں حضور ﷺ نے اس کے پڑھنے کا حکم دیا ہے، خود پڑھنے کی بات حدیث میں نہیں ہے۔ ملا علی قاری نے اس مسئلے سے متعلق اور زیادہ تفصیل «مشکوٰۃ» کی شرح «مرقاۃ» میں کی ہے۔^(۲)

(۱) شرح لباب الماتسک لعلی القاری ص ۳۳۳-۳۳۴۔ علامہ ثنائی نے بھی یہ عبارت «رد المحتار شرح الدر المختار» ۲/۲۴۲-۲۴۴ میں ذکر کی ہے۔

(۲) مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاة المصابیح ۱۷۳/۴۔

علامہ شرنبلالی کا حوالہ:

(۲) علامہ حسن بن عمار بن علی شرنبلالی متوفی (۱۰۶۹ھ) «نور الإيضاح» میں تحریر فرماتے ہیں:

«فصل في زيارة القبور: ... ويستحب قراءة يس؛ لما ورد أنه من دخل المقابر فقرأ يس خفف الله عنهم يومئذ وكان له بعدد ما فيها حسنات، ولا يكره الجلوس للقراءة على القبر في المختار، وكره القعود على القبر لغير قراءة»^(۱)

مولانا اعجاز علی کا حوالہ:

مولانا اعجاز علی دیوبندوی نے جو «نور الإيضاح» کا ماثیہ لکھا ہے، اس میں لکھتے ہیں:

«قوله: بالمكتابة:» وهل قراءة القرآن عند القبور مكروهة تكلموا فيه. قال أبو حنيفة: يكره. وقال محمد: لا يكره، ومشايننا أخذوا بقول محمد. رجل مات فأجلس وارثه رجلاً يقرأ القرآن على قبره، تكلموا فيه، منهم من كره ذلك، والمختار أنه ليس بمكروه، ويكون المأخوذ في هذا الباب قول محمد. ولهذا حكى عن السيد الشيخ أبي بكر العياضي رحمه الله أنه أوصى عند موته بذلك، ولو كان مكروهاً لما أوصى به. هذا

(۱) نور الإيضاح ص ۱۳۱، والتفصيل في شرحه مراقي الفلاح ص ۱۲۱ له أيضاً.

ما فی الشلبی نقلًا عن الولولاجی، ولعلک عرفت أن هذا الاختلاف فی مجرد القراءة فقال الإمام: هو مکروه. وأما ما شاع فی بلادنا الهندیة من الاستیجار لقراءة القرآن مع محدثات آخر فمکروه قطعًا، خلافاً لمن جعل البدعات رزقه. (۱)

یہ ہے مولانا اعجاز علی گنی پوری عبارت، ان کی یہ عبارت اس وجہ سے نقل کی گئی ہے، کہ بعض جگہ پر ان کی عبارت نقل کی گئی ہے، اور اس کو مختصر کیا گیا ہے، لیکن محض اس وجہ سے اصل مطلوب کو بحال نہیں رکھا گیا ہے، بلکہ مولانا اعجاز علی کا حوالہ دیکھ لینی مطلب کی بات کی گئی ہے، ملاحظہ ہو:

«وفي حاشية نور الإيضاح لإعجاز علي الديوبندي: فصل في حلها ص (۱۳۴): يكره قراءة القرآن في المقبرة مطلقاً، وأما الاستیجار لذلك فمضمّن لبدعات، ملخصاً» (۲)

مولانا اعجاز علی حجر کے پاس مظاہر قرآن کے پڑھنے کے کر اہت کے قائل نہیں ہیں، انہوں نے متعدد حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ لام محمد کے نزدیک یہ جائز ہے، اور مشارح ختیب نے اسی کو لیا ہے، اور لکھا ہے: «ويكون المأخوذ في هذا الباب قول محمد» کہ اس بارے میں لام محمد کے قول کو لیا جائے گا۔ البتہ انہوں ایک خاص صورت کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ یہ قطعاً مکروہ ہے، اور وہ یہ کہ اجرت پر کسی کو قبر کے پاس

(۱) حاشیہ نور الإيضاح ص ۱۳۱، فصل فی حلها ودفنها، کتاب الجنائز.

(۲) فتاویٰ الدین الخالص ۷/ ۲۳۸.

قرآن پڑھنے کے لیے بٹھا جائے، اور یہ صورت ہندو پاک میں رائج ہے، اس کے علاوہ بدعات بھی لوگوں نے اس کے ساتھ ملا دیے ہیں۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے، علامہ شامی نے اس حوالے سے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے «شفاء العلیل وبلّ الغلیل فی بطلان الوضیة بالختنات والنہالیل» کہ تلاوت قرآن پر اجرت لینا ناجائز ہے۔ یہ رسالہ مطبوعہ «مجموعۃ رسائل ابن عابدین» میں شامل ہے۔

نوٹ: علامہ دیوبند کا بھی وہی نقطہ نظر ہے، جو احتاف کا مفتی بہ مسلک ہے، اس سلسلہ میں ایک مستقل عنوان "اکابر علماء دیوبند کی آراء و فتاویٰ" کے تحت اس کی تفصیل ذکر کی گئی ہے۔

علامہ شامی کا حوالہ:

(۷) علامہ شامی "موتی" (۱۲۵۲ھ) کی کتاب «رد المحتار» میں اس بارے میں بڑی تفصیل ہے، ملاحظہ ہو:

علامہ علاء الدین محمد بن علی حصکفی "موتی" (۱۰۸۸ھ) «الدر المختار» میں لکھتے

تھا:

«ويقول: السلام عليكم دار قوم مؤمنين، وإنا إن شاء الله بكم لاحقون، ويقرأ يس. وفي الحديث: من قرأ الإخلاص أحد عشر مرة ثم وهب أجرها للأموات أعطي من الأجر بعدد الأموات» (۱)

(۱) الدر المختار ۲/ ۲۴۲-۲۴۳.

علامہ شامیؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

[«قوله: ويقول الخ» قال في «الفتح»: والسنة زيارتها قائماً والدعاء عندها قائماً كما كان يفعله ﷺ في الخروج إلى البقيع ويقول: السلام عليكم الخ. وفي «شرح اللباب» للمنلا علي القاري: ثم من آداب الزيارة ما قالوا من أنه يأتي الزائر من قبل رجل المتوفى لا من قبل رأسه، لأنه أنعب لبصر الميت بخلاف الأول؛ لأنه يكون مقابل بصره، لكن هذا إذا أمكنه وإلا فقد ثبت أنه ﷺ قرأ أول سورة البقرة عند رأس الميت وأخبرها عند رجله... [قوله: ويقرأ يتس] لما ورد من دخل المقابر فقرأ سورة يس خفف الله عنهم يومئذ وكان له بعدد من فيها حسنات. «بحر». وفي «شرح اللباب»: ويقرأ من القرآن ما تيسر له من الفاتحة وأول البقرة إلى الفلقون وآية الكرسي وآمن الرسول وسورة يتس وتبارك الملك وسورة التكاثر والإخلاص اثني عشر مرة أو إحدى عشرة أو سبعة أو ثلاثاً، ثم يقول: أوصل ثواب ما قرأنا إلى فلان أو إليهم»^(۱)

علامہ شامیؒ نے اس کے بعد دو عنوان قائم کیے ہیں: ۱- مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له. ۲- مطلب في إهداء ثواب القراءة للنبي ﷺ. اور اس کے تحت دونوں مسئلوں کی تفصیل نقل کی ہے، جس میں بہت فوائد ہیں، لیکن تفصیل کے خوف سے نقل نہیں کیا۔

(۱) رد المحتار ۲/ ۲۴۲-۲۴۳.

علامہ حسینیؒ «الدر المختار» میں لکھتے ہیں:

«لا يكره الدفن ليلاً ولا إجلاس القارئ عند القبر، وهو المختار»^(۱)

علامہ شامیؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

[«قوله: ولا إجلاس القارئ عند القبر» عبارة «نور الإيضاح» وشرحه: ولا يكره الجلوس للقراءة على القبر في المختار لتأدية القراءة على الوجه المطلوب بالسكينة والتدبير والاعتناء»^(۲)

علامہ حسینیؒ «الدر المختار» میں لکھتے ہیں:

«قلت: وكذا ينبغي أن يكون القول بطلان الوصية لمن يقرأ عند قبره بناء على القول بكراهة القراءة على القبور أو بعدم جواز الإجارة على الطاعات»^(۳)

علامہ شامیؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

[«قوله: بناء على القول بكراهة القراءة على القبور» أقول: ليس كذلك لما في «الولولجية»: لوزار قبر صديق أو قريب له، وقرأ عنده

(۱) الدر المختار ۲/ ۲۴۵-۲۴۶.

(۲) الدر المختار ۲/ ۲۴۵-۲۴۶.

(۳) الدر المختار ۶/ ۶۹۰-۶۹۱.

شيثا من القرآن فهو حسن، وأما الوصية بذلك فلا معنى لها ولا معنى أيضا لصلة الفارئ لأن ذلك يشبه استجاره على قراءة القرآن وذلك باطل ولم يفعله أحد من الخلفاء. اهـ بحروقه. فقد صرح بحسن القراءة على القبر وبيطلان الوصية، فلم يكن مبنيا على القول بالكراهة. (۱)

☆☆☆

فقہ مالکی کی روشنی میں

امام مالک کا مذہب

کوئی ایسی مستند روایت نہیں ملی جس میں امام مالکؒ سے قبر کے پاس قرآن پڑھنے کے جواز یا عدم جواز کا ذکر ہو، اس کے لیے بندہ نے امام مالکؒ کی تصانیف ”موطا“ اور ”مدونہ“ کی طرف بھی رجوع کیا، اور علامہ ابن رشد مالکیؒ کی ”بدایۃ المجتہد“ اور ”الہدایان“ و ”التفصیل“ کی طرف بھی رجوع کیا، لیکن اس حوالے سے کچھ نہیں ملا۔

البتہ علامہ ابن تیمیہؒ نے امام مالکؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ قبرستان میں تلاوت کرے، علامہ ابن تیمیہؒ کی پوری عبارت مذہب حنبلی کے تحت نقل کی گئی ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں: «وقال مالك: ما علمت أحدا يفعل ذلك» (۱)

(۱) اقتضاء الصراط المستقیم ۲/ ۷۳۶.

ويقول فيه العلامة محدوح:

«قلت: لا يلزم من عدم علم الإمام مالك رحمه الله تعالى، نفي الفعل عن الصحابة والتابعين جميعا، وتحتمس ابن تيمية لرأيه يجعله يستنتج من النص ما لا يجمله، لاسيما مع وجود النصوص التي تخالف ما رآه ابن تيمية. (كشف الاستور ص ۲۴۰).

(۱) الدر المختار ۶/ ۶۹۰.

اول تو امام مالک کے حوالے سے یہ یقینی بات نہیں، اور اگر علامہ ابن تیمیہ کا یہ حوالہ درست بھی ہو، جب بھی یہ ایک مضبوط دلیل نہیں، کیونکہ جب قبرستان میں خلاوت کرنے کی حدیث ثابت ہے، تو یہ کہا جائے گا کہ امام مالک تک یہ یقینی نہیں ہوئی، جس کی بنا پر وہ اس کی نئی فرامی ہے۔

اور "فتاویٰ ابن تیمیہ" میں ہے: «وقد تنازع الناس في القراءة على القبر فكريها أبو حنيفة ومالك»^(۱)

متاخرین مالکیہ کا مفتی پہ مسلک

اور علامہ وہبہ الزحلی حفظہ اللہ لکھتے ہیں "کہ قدام مالکیہ کا مذہب تو عدم جواز کا ہے، البتہ متاخرین مالکیہ نے اس کو جائز قرار دیا ہے" چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

«وقال المالكية: تكره القراءة على الميت بعد موته وعلى قبره، لأنه ليس من عمل السلف، لكن المتأخرون على أنه لا بأس بقراءة القرآن والذكر وجعل ثوابه للميت، ويحصل له الأجر إن شاء الله»^(۲)

یہی بات الموسوعة الفقهية الكويتية میں بھی ہے، تاہم اس میں یہ بھی ہے کہ علامہ وسوقی کا نئے مطلقاً کہہنا اختیار کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

(۱) فتاویٰ ابن تیمیہ ۳۱۷/۲۴

(۲) الفقه الإسلامي وأدلته ۲/۲۵۱

«وذهب المالكية إلى كراهة القراءة عند القبر، لأنه ليس من عمل السلف. قال الدردير: «التأخرون على أنه لا بأس بقراءة القرآن والذكر وجعل ثوابه للميت، ويحصل له الأجر إن شاء الله». لكن رجح الدسوقي الكراهة مطلقاً»^(۱)

علامہ عبدالحق اشعری مالکی کا ایک حوالہ

قال العلامة عبدالحق الأندلسي الأشعري (المتوفى: ۵۸۱ھ):

وروى أبو عبد الرحمن النسائي من حديث معقل بن يسار المزني عن النبي ﷺ أنه قال: اقرأوا يس على موتاكم. فيحتمل أن تكون هذه القراءة عند موته ويحتمل أن تكون عند قبره. ويروى عن عبد الله بن عمر بن الخطاب رضي الله عنهما أنه أمر أن يقرأ عند قبره سورة البقرة. وقد روى بإتاحة القراءة عند القبر العللاء بن عبد الرحمن. ويروى أيضاً أن أحمد بن حنبل رجع إلى هذا بعد ما كان ينكره^(۲)

علامہ محمود سعید مدنی نے مالکیہ کا مسلک جو ازاں لکھا ہے۔^(۳)

(۱) الموسوعة الفقهية ۳۲/۲۵۵-۲۵۶

(۲) كتابه العاقبة في ذكر الموت ص: ۱۸۴

(۳) كشف الستور ص: ۲۳۹

فقد شافعی کی روشنی میں:

مذہب امام شافعی

امام شافعیؒ قبر کے پاس قرآن پڑھنے کو جائز سمجھتے تھے، چنانچہ امام غزالیؒ نے باقاعدہ سند کے ساتھ ان سے جو ان کا قول نقل کیا ہے کہ علامہ زعفرانیؒ نے امام شافعیؒ سے قبر کے پاس قرآن پڑھنے کے بارے میں پوچھا، تو امام شافعیؒ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں، ملاحظہ ہو:

«أخبرني روح بن الفرج قال: سمعت الحسن بن الصباح الزعفراني يقول: سألت الشافعي عن القراءة عند القبور؟ فقال: لا بأس به.»^(۱)

اس سند میں ایک راوی روح بن الفرج ہے، اور دوسرے حسن بن صباح زعفرانی ہے، ذیل میں ان دونوں کے حالات ملاحظہ ہو:

(۱) روح بن الفرج:

یہ امام ابو ذریعہ روح بن الفرج قحطان مصریؒ ہیں، ان کی ولادت ۲۰۳ھ اور وفات ۲۸۲ھ ہے، یہ بہت بڑے محدث ہیں، اور امام طحاویؒ اور امام طبرانیؒ کے استاذ ہیں، امام طحاویؒ فرماتے ہیں: «كان من أوثق الناس» (یہ تمام لوگوں میں زیادہ ثقہ ہیں)، اور علامہ ابن قتیہؒ فرماتے ہیں: «رفعه الله بالعلم والصدق» (اللہ نے ان کو علم

(۱) القراءة عند القبور ص ۲، الأمر بالمعروف.

اور صداقت کی بدولت بلند مرتبہ عطا فرمایا تھا) اور امام بزارؒ نے بھی ان کی احادیث اپنی «مسند» میں روایت کی ہیں، اور ان کے بارے میں لکھتے ہیں: «يقال: ليس في مصر أوثق ولا أصدق منه». (کہا جاتا ہے کہ مصر میں ان سے زیادہ ثقہ اور سچا نہیں ہے)۔^(۲)

(۲) حسن بن صباح زعفرانی:

یہ امام ابو علی حسن بن محمد بن صباح بغدادی زعفرانیؒ ہیں، ان کی ولادت ۲۰۷ھ سے کچھ بعد میں ہوئی، اور سن وفات ۳۵۹ھ یا ۳۶۰ھ ہے، امام مسلمؒ کے علاوہ دیگر ارباب صحاح ستہ نے ان کی احادیث لی ہیں، علامہ ذہبیؒ نے ان کو ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے: «الإمام العلامة شيخ الفقهاء والمحدثين... ثقة جليلا عالي الرواية كبير المحل»۔^(۳)

اور ان کا شمار امام شافعیؒ کے بلند شاگردوں میں ہوتا ہے چنانچہ علامہ ابن حبانؒ فرماتے ہیں کہ:

«علامہ زعفرانیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور امام ابو یوسفؒ تینوں امام شافعیؒ سے اچھے علم حاصل کرتے تھے، لیکن امام شافعیؒ کے سامنے سبق پڑھنے کی ذمہ داری صرف علامہ زعفرانیؒ سرانجام دیتے تھے»۔^(۴)

(۱) علامہ ہو: تاریخ الإسلام ۷/ ۳۰۰، تہذیب الکمال ۳/ ۵۳۶.

(۲) سیر أعلام النبلاء ۱۲/ ۲۶۲.

اور ذکر یا ساقی فرماتے ہیں کہ:

”میں نے علامہ زعفرانی سے سنا وہ فرماتے تھے کہ امام شافعیؒ ہمارے پاس آئے، اور ہم بہت سارے لوگ ان کے پاس جمع ہو گئے، تو امام شافعیؒ نے فرمایا کہ (تم میں سے کون پڑھے گا) اپنے لیے سبق پڑھنے والا تلاش کرو، تو میرے علاوہ کسی میں بھی یہ جہاد ت نہیں تھی کہ ان کے سامنے پڑھے، حالانکہ میں تمام لوگوں کے نسبت عمر کے لحاظ سے چھوٹا تھا، اور اس وقت میرے چہرے پر کوئی (داڑھی کا ایک) بال بھی نہیں تھا، اور اس دن مجھے اس پر بہت تعجب ہوا تھا کہ میری زبان امام شافعیؒ کے سامنے کیسے چل رہی ہے، اور اس جہاد پر بہت حیران تھا، میں نے امام شافعیؒ کی ساری کتابیں سوائے «کتاب المناسک» اور «کتاب الصلاة» کے ان سے پڑھیں۔“

علامہ ذہبیؒ ان کے اس تعجب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

«قلت: كان الزعفراني من الفصحاء البليغاء» (۱)

(میں کہتا ہوں کہ علامہ زعفرانی بہت فصیح و بلیغ تھے)۔

اور علامہ زعفرانیؒ فرماتے ہیں کہ:

”جب میں نے امام شافعیؒ کے سامنے ان کے کتاب ”الرسالہ“ پڑھی، تو انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ تم عرب کے کس قبیلے کے ہو؟ تو میں عرض کیا کہ میں عربی نہیں

ہوں، میں جس جگہ کا ہوں اس کو ”زعفرانیہ“ کہا جاتا ہے، تو امام شافعیؒ نے فرمایا تم اس جگہ کے سردار ہو۔“ (۱)

علامہ نووی شافعیؒ کی تصریح:

مذہب شافعیہ کے مقتدر علماء بھی اسی وجہ سے قبر کے پاس قرآن پڑھنے کے جواز کے قائل ہیں، چنانچہ علامہ نوویؒ [۷۳۱ھ / ۱۳۳۰ء] نے «رياض الصالحين» میں باب پانچواں ہے «باب الدعاء للميت بعد دفنه والقعود عند قبره ساعة للدعاء له والاستغفار والقراءة» اور اس کے تحت احادیث نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

«قال الشافعي رحمه الله: ويستحب أن يقرأ عنده شيء من القرآن، وإن ختموا القرآن عنده كان حسنا» (۲)

اور علامہ نوویؒ «المجموع شرح المذهب» میں لکھتے ہیں:

«ويستحب للزائر أن يسلم على المقابر ويدعو لمن يزور ولجميع أهل المقبرة، والأفضل أن يكون السلام والدعاء مما ثبت في الحديث،

(۱) التلقات لابن حبان ۸/ ۱۷۷.

(۲) سير اعلام النبلاء ۱۲/ ۲۶۲.

(۱) مذهب التهذيب ۲/ ۲۷۵.

(۲) رياض الصالحين ص ۳۱۳.

و يستحب أن يقرأ من القرآن ما تيسر ويدعو لهم عقبها، نص عليه الشافعي واتفق عليه الأصحاب^(۱).

اور علامہ نوویؒ «التبيان في آداب حملة القرآن» میں لکھتے ہیں:

«فصل: فيما يقرأ عند الميت. قال العلماء من أصحابنا وغيرهم: يستحب أن تقرأ عنده يس، لحديث معقل بن يسار رضي الله عنه أن النبي ﷺ قال: «اقرأوا يس على موتاكم». رواه أبو داود والنسائي في «عمل اليوم والليلة» وابن ماجه بإسناد ضعيف. وروى مجالد عن الشعبي قال: قال: كانت الأنصار إذا حضروا عند الميت قرأوا سورة البقرة، ومجالد ضعيف. والله أعلم.»^(۲)

علامہ سیوطیؒ تصریح:

اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ «المتوفى ۹۱۱ھ» نے اپنی کتاب «شرح الصدور» میں باب باسمعایہ «باب قراءة القرآن للميت أو على القبر» (میت اور قبر کے پاس قرآن پڑھنے کا حکم) اور اس باب میں انہوں نے دو مسئلے ذکر کئے ہیں، پہلا مسئلہ «میت کے لئے قرآن مجید کا ایسا قراب» اور اس کے تحت انہوں نے لکھا ہے کہ «مجموع سلف اور ائمہ ثلاثہ اس کے جواز کے قائل ہیں، البتہ ہمارے امام شافعیؒ اس کے عدم جواز کے قائل ہیں، ان کے الفاظ ملاحظہ ہو:

(۱) المجموع شرح المذهب ۲۸۶/۵.

(۲) التبيان في آداب حملة القرآن ص ۹۶.

«اختلف في وصول ثواب القراءة للميت، فجمهور السلف والأئمة الثلاثة على الوصول، وخالف في ذلك إمامنا الشافعي.»^(۱)

پھر علامہ سیوطیؒ نے اس بارے میں طرفین کے دلائل ذکر کئے ہیں، تاہم یہ چونکہ ہمارے موضوع بحث سے خارج ہے، اس لیے یہ تفصیل نقل نہیں کی جاتی۔

دوسرا مسئلہ علامہ سیوطیؒ نے یہ ذکر کیا ہے کہ «قبر کے پاس قرآن مجید پڑھنا کیسا ہے؟» اور اس کے تحت وہ فرماتے ہیں:

«وأما القراءة على القبور، فجزم بمشروعيتهما أصحابنا وغيرهم. قال الزعفراني: سألت الشافعي رحمه الله عن القراءة عند القبر، فقال: لا بأس به. وقال النووي في «شرح المذهب»: يستحب لزائر القبور أن يقرأ ما تيسر من القرآن ويدعو لهم عقبها، نص عليه الشافعي واتفق عليه الأصحاب. وزاد في موضع آخر: وإن ختموا القرآن على القبر كان أفضل. وكان الإمام أحمد بن حنبل ينكر ذلك أولاً حيث لم يبلغه فيه أثر، ثم رجع حين بلغه، ومن الوارد في ذلك ما تقدم في باب ما يقال عند الدفن من حديث ابن عمر والعلاء بن [الجلجلان] مرفوعاً كلامها.»^(۲)

(۱) شرح الصدور ص ۱۲۹.

(۲) شرح الصدور ص ۱۳۰.

علامہ سیوطیؒ نے قبر کے پاس قرآن پڑھنے کے جواز کے بارے میں بحر حریذ و لائل
دیتے ہیں، جو تفصیل کے ساتھ اس کتاب میں مختلف مقامات پر ذکر کیے گئے ہیں۔

مذہب امام شافعی اور علامہ البانیؒ:

پچھلے قبر کے پاس قرآن پڑھنے کے جواز کے بارے میں امام شافعیؒ کا مسلک، خود امام
شافعیؒ سے، اور شافعی مسلک کے دو معتد علماء علامہ نوویؒ اور علامہ سیوطیؒ سے ہم باحوالہ
نقل کر چکے ہیں، لیکن علامہ البانیؒ اور ان کی اتباع میں غیر مقلدین حضرات یہ فرماتے ہیں
کہ امام شافعیؒ کے نزدیک قبر کے پاس قرآن پڑھنا بدعت ہے، ان حضرات کے پاس کوئی
روایت امام شافعیؒ کی ایسی نہیں کہ جس میں امام شافعیؒ نے اس کو بدعت اور ناجائز
کہا ہو، جبکہ جواز کے بارے میں ہاتھ بندھے کے ساتھ ان سے یہ منقول ہے، مناسب معلوم
ہوتا ہے کہ یہاں علامہ البانیؒ کی عبارت ذکر کی جائے:

علامہ البانیؒ ”ریاض الصالحین“ کی تحقیق میں علامہ نوویؒ پر رد کرتے ہوئے لکھتے
ہیں:

«قلت: لا أحري أبين قال ذلك الشافعي رحمه الله تعالى، وفي ثبوته
عنه شك كبير عندي، كيف لا ومذهبه أن القراءة لا يوصل إهداء ثوابها
إلى الموتى، كما نقله عنه ابن كثير في تفسير قوله تعالى: (وأن ليس
للإنسان إلا ما سعى)، وقد أشار شيخ الإسلام ابن تيمية إلى عدم

ثبوت ذلك عن الإمام الشافعي بقوله في (الاعتضاء): «لا يحفظ عن
الشافعي نفسه في هذه المسألة كلام لأن ذلك كان عنده بدعة» (۱)

[ترجمہ] ”مجھے نہیں معلوم کہ امام شافعیؒ نے یہ کہاں فرمایا ہے، نیز امام شافعیؒ
سے اس کے ثبوت میں مجھے قوی شک ہے، یہ اس لیے کہ ان کا مذہب تو یہ ہے کہ میت کی
طرف قرآن پڑھنے کا ثواب نہیں پہنچتا ہے، جیسا کہ علامہ ابن کثیرؒ نے اللہ تعالیٰ کے
اس ارشاد: «وأن ليس للإنسان إلا ما سعى» کی تفسیر میں ذکر کیا ہے، اور علامہ
ابن تیمیہؒ نے بھی امام شافعیؒ سے اس کے ثابت نہ ہونے کی طرف، اپنی کتاب «اعتضاء
الصرائط المستقيم» میں اشارہ کیا ہے، وہ لکھتے ہیں: کہ خود امام شافعیؒ سے اس
بارے میں کوئی کام منقول نہیں، کیونکہ یہ امام شافعیؒ کے نزدیک بدعت ہے۔“

علامہ البانیؒ کی اس تحقیق کو کئی حضرات نے نقل کیا ہے۔

علامہ البانیؒ کی مہارت میں درج ذیل باتیں غور طلب ہیں:

(۱) ہم نے ہاتھ بندھے کے ساتھ امام شافعیؒ سے قبر کے پاس قرآن پڑھنے
کا جواز نقل کیا ہے، علامہ البانیؒ چونکہ اس روایت پر مطلع نہیں ہوئے، اس لیے انہوں نے
الطیبت کا اکتہار کیا ہے، لیکن یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ ان کو یہ روایت کیوں نہیں
نظر آئی، حالانکہ امام غزالیؒ کی «کتاب القراءة عند القبور» ان کے سامنے ہے،
انہوں نے اپنی کتاب «احکام الجنائز» ص ۱۳، اور ص ۱۹۳ پر اس کا حوالہ بھی دیا ہے،

(۱) ریاض الصالحین ص ۳۷۰.

نیز علامہ ابن القیمؒ کی "کتاب الروح" بھی ان کے پیش نظر ہے، اور علامہ ابن القیمؒ نے یہ روایت اس کتاب میں ذکر کی ہے۔

(۲) علامہ ابائیؒ نے یہ جو فرمایا ہے: "مکہ خیر لام شافعی" سے اس کے ثبوت میں مجھے قوی شک ہے، یہ اس لیے کہ ان کا مذہب تو یہ ہے کہ میت کی طرف قرآن پڑھنے کا ثواب نہیں پہنچتا ہے، جبکہ علامہ ابن القیمؒ نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: "وَأَنْ لِّسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ" کی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔

یہ بات بھی محل نظر ہے، کیونکہ قرآن کے ایصالِ ثواب کا مسئلہ الگ ہے، اور قبر کے پاس قرآن پڑھنے کا مسئلہ الگ ہے، پیچھے علامہ سیوطیؒ کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے، انہوں نے ان دونوں مسئلوں کو الگ الگ ذکر کیا ہے، قرآن کا ایصالِ ثواب اگرچہ امام شافعیؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے، لیکن قبر کے پاس قرآن پڑھنا ان کے نزدیک جائز ہے، بعض حضرات نے بھی اس مسئلے کے بارے میں مذہب شافعیہ کی وہ عبارتیں ذکر کی ہیں، جو ایصالِ ثواب سے متعلق ہیں، اور ان سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ شافعیہ کے نزدیک قبر کے پاس قرآن پڑھنا ناجائز ہے، اور خواہ مخواہ کی کتابوں میں جو خاص اس موضوع کے متعلق عبارتیں ہیں، ان کو ذکر نہیں کیا۔

(۳) اور علامہ ابائیؒ نے علامہ ابن قیمؒ کی عبارت بھی اپنی تالیف میں ذکر کی ہے کہ "لا يحفظ عن الشافعي نفسه في هذه المسألة كلام لأن ذلك كان عنده بدعة" (کہ خود امام شافعیؒ سے اس بارے میں کوئی کام منقول نہیں، کیونکہ یہ امام شافعیؒ کے نزدیک بدعت ہے)۔

علامہ ابن قیمؒ کی یہ عبارت پوری تفصیل کے ساتھ "مذہب ضعیفی" کے ضمن میں نقل کی جا چکی ہے، اور وہاں ان کی عبارت میں موجود بعض غامضوں کی طرف بھی اشارہ کیا گیا تھا، ان میں سے ایک بات یہی تھی کہ علامہ ابن قیمؒ نے امام شافعیؒ کا مذہب صحیح نقل نہیں کیا ہے، ایک طرف تو علامہ ابن قیمؒ یہ فرماتے ہیں "مکہ خود امام شافعیؒ سے اس بارے میں کوئی کام منقول نہیں" اور دوسری طرف وہ یہ فرماتے ہیں کہ "کیونکہ یہ امام شافعیؒ کے نزدیک بدعت ہے"۔ تو جب ثابت نہیں، تو ان کے نزدیک یہ بدعت کیسے ہو؟

خطیب بغدادیؒ کی قبر پر قرآن کے ختم کیے گئے:

جیسا کہ گذر گیا، امام شافعیؒ کے نزدیک بہتر یہ ہے کہ قبر پر دفن کے بعد قرآن مجید کا ختم کیا جائے، ایسا لگتا ہے کہ شوافع کے ہاں اس پر عمل بھی چلا رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ علامہ ذہبی شافعیؒ مشہور شافعی عالم علامہ خطیب بغدادیؒ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں: کہ (وفات کے بعد) ان کی قبر پر قرآن ختم کیے گئے، اور اس پر کسی جسم کا رو نہیں کیا۔

ان کے الفاظ یہ ہیں: "وختتم علی قبره عدة ختمات" (۱)

ابو جعفر حاشی کی قبر پر قرآن کے ختم کیے گئے:

علامہ ذہبی لکھتے ہیں:

ودفن لى جانب قبر الإمام أحمد، ولزم الناس قبره مدة، حتى قيل: ختم علی قبره عشرة آلاف ختمه" (۱)

(۱) سیر اعلام النبلاء ۱/۸۸، ۲۸۶.

شیخ ابو منصور کی قبر پر قرآن کے ختم کیے گئے:

شیخ ابو منصور الحیاط البغدادی المقرئ الزاهد. [المتوفی: ۴۹۹
ہس کی قبر پر قرآن کے ختم کیے گئے علامہ ذہبی لکھتے ہیں:

قَالَ السَّلَفِيُّ: ذَكَرَ لِي الْمُؤَنِّسُ السَّاجِي فِي ثَانِي جُمُعَةٍ مِنْ وَفَاةِ أَبِي
مَنْصُورٍ: الْيَوْمَ خْتَمُوا عَلَى رَأْسِ قَبْرِهِ مِائَتَيْنِ وَاحِدَتَيْنِ وَعَشْرِينَ خُتْمَةً،
يَعْنِي أَنَّهُمْ كَانُوا قَدْ قَرَأُوا الْحَقْمَ قَبْلَ ذَلِكَ إِلَى سُورَةِ الْإِخْلَاصِ،
فَخْتَمُوا هُنَاكَ، وَدَعَوْا عَقِيبَ كُلِّ خُتْمَةٍ^(۱).

علامہ تنقیح کا حوالہ

علامہ تنقیح شافعی نے بھی نام شافعی کا بھی مسلک نقل کیا ہے، کہ قبر کے پاس
قرآن پڑھا جائے، وہ تحریر فرماتے ہیں:

«قال الشافعي: وأحب لو قرء عند القبر ودعي للميت»^(۲).

علامہ ابن حجر عسقلانی کی کتاب "الإمتاع" کا حوالہ، اور ایک غلطی پر بھیجیہ:

حافظ ابن حجر عسقلانی کی کتاب «الإمتاع بالاربعين المتأبينة السماع» کے
آخر میں حافظ ابن حجر کے فتاویٰ درج ہیں، جس کی تحقیق شیخ عبد اللہ بن محمد بن حسن شافعی
نے کی ہے، ان فتاویٰ میں حافظ ابن حجر نے قبر کے پاس قرآن پڑھنے کے بارے میں
تفصیل سے گفتگو کی ہے، اور اس ضمن میں امام غزالی کے حوالے سے حضرت لہذا رضی
اللہ عنہ کی حدیث بھی ذکر کی ہے، اس حدیث پر یہاں حافظ ابن حجر نے کوئی حکم نہیں
لگایا، لیکن «الإمتاع» کے اس نسخے میں جو مکتبہ الشامیہ (مکتبہ نوری مکتبہ) میں شامل کیا گیا
ہے، متن کے اندر محقق نے اپنی آراء درج کی ہیں، البتہ اپنی آراء کو بریکٹ میں درج کیا
ہے، لیکن اس طرح سرسری دیکھنے والے متن میں درج شدہ محقق کی آراء کو حافظ ابن
حجر کی رائے سمجھ گا، یہاں بھی یہی ہوا، چنانچہ «أدلة الحنفية من الأحاديث النبوية
على المسائل الفقهية» تالیف علامہ محمد عبد اللہ ابہلوی کے محقق شیخ رحمت اللہ عودی
نے حضرت لہذا کی تحریک میں «الإمتاع» کے حوالے سے لکھا ہے کہ حافظ ابن حجر نے
اس حدیث کو دھمکتو کر لیا ہے، حالانکہ حافظ ابن حجر نے یہ نہیں فرمایا بلکہ یہ «الإمتاع»
کے محقق کی رائے ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

«كما أورده الحافظ ابن حجر العسقلاني في «الإمتاع بالاربعين
التأبينة السماع»، ص ۸۵ وقال: منكر، بينما قال الهيثمي عن رواية
الطبراني: رجاله موثقون. (جمع الزوائد ۳ / ۴۴۴)»^(۱)

اس رسالے کی تاخیر کا ایک سبب اس حوالے کی تحقیق تھی، کیونکہ حافظ ابن حجر
کا ایک حوالہ «أما لي الأذكار» کے حوالے سے پیچھے گزر چکا ہے جس میں انہوں نے

(۱) أدلة الحنفية: ص ۲۸۶، طبع دار الفلم. وانظر نتائج الأفكار ۴ / ۴۲۷.

(۱) سير اعلام النبلاء ۱۸۰ / ۵۴۷. ويراجع كشف الستور ص ۲۴۴.

(۲) تاريخ الإسلام ت بشار (۱۰ / ۸۱۷). ويراجع كشف الستور
ص ۲۴۴.

(۳) معرفة السنن والآثار ۳ / ۱۹۱.

اس حدیث اور سند کو حسن قرار دیا ہے، یہاں انہوں نے منکر کیوں قرار دیا ہے؟ ۱۹ بندہ نے اس کو اصل مطبوع کتاب یا نقلی نسخے پر موقوف کر دیا تھا، کتاب کی تلاش میں تھا، ایک روز جامع امداد العلوم پشاور کے مکتبہ میں نئی آمدہ کتابوں کی چھان بین کر رہا تھا کہ اچانک اس کتاب پر نظر پڑی، کتاب دیکھی تو شک کا فور ہو گیا، کہ اس سند پر منکر کا حکم حافظ ابن حجرؒ کا نہیں بلکہ محقق کا ہے، ذیل میں "الإمتاع" کی پوری عبارت ذکر کی جاتی ہے، جس میں حافظ ابن حجرؒ نے خاص طور پر شافعیہ کے اس مسئلے میں مسلک کو بھی واضح کیا ہے، جہاں جہاں محقق نے حدیث پر حکم لگایا ہے، اس پر مختصر تبصرہ بھی کیا کیا ہے، ملاحظہ ہو:

«وأما قوله: هل يصل إلى الميت ثواب القراءة سواء قرأ عند قبره أو غابا عن قبره وهل له ثواب القراءة بكاملها أو ثواب مستمع؟. فهاتان مسألتان، الثانية منهما مفرعة عن الأولى. وقد قدمت مذهب الحنابلة في ذلك وأن القارئ إذا قصد بقرائه أنه عن الميت نفعتة ووصل ثوابها له. وأن منهم من قال لا يشترط قصد ابتداء بل إذا قرأ ثم أهدى ثواب ذلك للميت وصل إليه. وذكرنا ما رجح به القول الأول وعلى القولين فلا فرق عند هؤلاء بين القراءة عند القبر أو غابا عنه وكان ثواب القراءة يحصل للميت في الحالين ومسألة المستمع بحثها بعض الشافعية بناء على قاعدتين أحدهما عدم صحة إهداء الثواب والأخرى أن الأرواح بأقنية القبور أو أنها في مستقرها ولها اتصال بالقبر وبين الميت اتصالا معنويا بحيث يحس البدن بالتنعيم والتعذيب كما تقرر تقريره وعلي هذا فيستمع الميت القراءة وإذا استمع حصل له ثواب مستمع وهذا قد تورط قائله في هل أن إدراكه هو سماعه

لیس کإدراك المكلفین لكن ذلك راجع إلى فضل الله تعالى فی جوز أن يتفضل على هذا الميت بذلك.

وسلك بعض الشافعية في ثواب القراءة مسلکا آخر فقال: إن قصد القراءة عن الميت لم يصح وإن قرأ لنفسه ثم دعا الله أن يجعل ذلك الثواب للميت أمكن أن يصل إليه ويكون ذلك من جملة ما يدعو به له فأمره إلى الله تعالى إن شاء استجاب وإن شاء رده. وهذا لا ينافيه قول من قال منهم إن إهداء الثواب لا يصح لأن العبد لا تصرف له في العباد اتباعها لك ما جعل له ذلك في المال لأن ذلك إنما هو حيث يقصد بالقراءة أن يكون ثوابها للميت أو يقول جعلت ثوابي للميت وهذا بخلاف ما ذكر من الدعاء إلا أن الذي جنح إلى مسألة الدعاء لانهاءها له الجزم بوصوله الثواب إلى الميت كما تقدم.

وقد وردت عن السلف آثار قليلة في القراءة عند القبر ثم استمر عمل الناس عليه من عهد أئمة الأمصار إلى زماننا هذا فأجبت في ذلك ما أخرجه الخلال في كتاب «الجامع» له قال: حدثنا العباس بن أحمد الدوري قال: «سألت أحمد بن حنبل تحفظ في القراءة على القبور شيئا؟ قال: لا.

قال: وسألت يحيى بن معين، فحدثني عن مبشر بن إسماعيل الخليلي، قال حدثني عبد الرحمن بن العلاء بن الجلاج عن أبيه، قال: قال: إني إذا أتيت مت فضعني في اللحد وقل بسم الله وعلي سنة رسول

اللہ وسن علی التراب سنا وقرأ عند رأسی بغائقة الكتاب وأول البقرة وخاتمها فإني سمعت ابن عمر یوصی بذلك. ^(۱)

ثم أخرج الخلال من وجه آخر أن أحمد كان في جنازة فلما دفن الميت جاء رجل ضرير یقرأ عند القبر فقال له أحمد یا هذا إن القراءة عند القبر بدعة فقال له محمد بن قدامة: یا أبا عبد الله ماتقول في مبشر الخلبی؟ قال: ثقة فذكر له عنه هذا الحديث، فقال له أحمد: أرجع إلى الرجل وقل له یقرأ. ^(۲)

وقال الخلال أيضا: حدثنا أبو بكر المروزي سمعت أحمد بن محمد بن حنبل یقول إذا دخلتم المقابر فاقروا بغائقة الكتاب والمعوذتين ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ واجعلوا ذلك لأهل المقابر فإنه یصل إليهم.

وروی أيضا عن الزعفرانی قال سألت الشافعی رضي الله عنه القراءة عند القبر فقال: لا بأس به. ^(۳)

(۱) اس حدیث کو محقق نے ”سکر“ کہا ہے جبکہ جبکہ یہ حدیث صحیح یا کم از کم حسن نہ ہے کی ہے، جس کی تفصیل گذشتہ اوراق میں دردی گئی ہے۔

(۲) اس حدیث کو محقق نے ”ضعیف جدا“ کہا ہے، جبکہ حضرت بلالؓ کی حدیث سے قطع نظر اس واقعہ کی صحت کے بارے میں بھی مذہب حنبلی کے حجتین تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔

(۳) اس روایت کو محقق نے ”حسن“ کہا ہے، ہم نے بھی تفصیل سے اس کی صحت کے بارے میں مذہب شافعی میں تفصیل بیان کی ہے۔

وهذا نص غریب عن الشافعی، والزعفرانی من رواة القديم وهو ثقة وإذا لم یرد فی الجدید ما یخالف متصوص القديم فهو معمول به ولكنی لزم من ذلك أن یكون الشافعی قائلًا بوصول ثواب القرآن لأن القرآن أشرف الذكر والذكر یتمثل به بركة للمكان الذي یقع فيه وتعم تلك البركة سكان المكان.

وأصل ذلك وضع الجریذین فی القبر بناء علی أن فائدتهما أنها مادامتا رطبتین تسبحان فتحصل البركة بتسبیحهما لصاحب القبر ولهذا جعل غاية التخفیف جفافهما وهذا علی بعض التأویلات فی ذلك وإذا حصلت البركة بتسبیح الجہادات فبالقرآن الذي هو أشرف الذكر من الآدمی الذي هو أشرف الحيوان أولی بحصول البركة بقراءته ولاسیما إن كان القارئ رجلا صالحا. والله أعلم. ^(۱)

مذہب حنبلی کی روشنی میں:

قبر کے پاس قرآن کی تلاوت اور امام احمد بن حنبلؒ

امام احمد بن حنبلؒ شروع شروع میں قبر کے پاس قرآن مجید پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتے تھے، اور اس کو بدعت فرماتے تھے، کیونکہ ان کے علم میں اس بارے میں کوئی جواز کی دلیل نہیں تھی۔

چنانچہ امام ابو داؤدؒ فرماتے ہیں: ”کہ میں نے امام احمد بن حنبلؒ سے سنا، ان سے کسی نے قبر کے پاس قرآن مجید پڑھنے کے بارے میں پوچھا، تو انہوں نے فرمایا یہ ثابت نہیں۔“ ان کے الفاظ ملاحظہ ہو:

«سمعت أحمد سئل عن القراءة عند القبر؟ فقال: لا، (۱)»

اور امام عباسؒ دوریٰ فرماتے ہیں: ”کہ میں نے امام احمد بن حنبلؒ سے قبر کے پاس قرآن مجید پڑھنے کے بارے میں پوچھا، تو انہوں نے فرمایا کہ اس بارے میں مجھے کچھ یاد نہیں۔“ ان کے الفاظ ملاحظہ ہو:

«[۵۴۱۴] سألت أحمد بن حنبل ما يقرأ عند القبر؟ فقال: ما أحفظ فيه شيئا. (۲)»

(۱) مسائل الإمام أحمد بن حنبل ص ۱۵۸.

(۲) تاریخ یحییٰ بن معین روایۃ الدورۃ ۲/ ۳۸۰، وكذا في القراءة عند القبور ص ۱، والأمر بالمعروف والنهي عن المنكر ۱/ ۲۹۲ للخلال.

لیکن ایک موقع پر جب محدث محمد بن قدامہ جوہریؒ نے ان کے سامنے حدیث ابن عمرؓ کی قوائیہوں سے رجوع فرمایا، پیچھے ہٹ کر غلامی کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے۔

اس کے بعد حنفیہ علماء کرام نے امام احمدؒ کا یہ رجوع نقل کیا ہے، اور اسی بنا پر انہوں نے حنبلیہ بھی جواز کا فتویٰ دیا ہے، یہیہا کہ آگے ان کی مہارت میں آئے گا۔

علامہ البانیؒ کی رائے:

البتہ اس سلسلے میں علامہ البانیؒ امام احمدؒ کے رجوع کے قائل نہیں ہیں، اور فرماتے ہیں کہ اس روایت میں ایک تو حسن بن احمد وراق کا ترجمہ مجھے نہیں ملا، اور اسی طرح علی بن موسیٰ حدادیؒ بھی غیر معروف ہے، اگرچہ اسی سند میں اس کے لئے صدوق کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، لیکن بظاہر یہ حسن بن احمد وراق کے الفاظ ہیں، اور حسن وراق خود مجہول ہے، لہذا اس کے اس قول کا اعتبار نہیں ہے، دوسری بات یہ ہے کہ اگر یہ ثابت بھی ہو جائے، تو یہ امام ابو داؤدؒ کی روایت کے نسبت خاص ہے، لہذا ان دونوں روایتوں کے درمیان مواظقت ہو سکتی ہے، کہ صرف دفین کے وقت قرآن پڑھنا جائز ہے۔

علامہ البانیؒ فرماتے ہیں:

«فالجواب عنه من وجوه:

الأول: إن في ثبوت هذه القصة عن أحمد نظر، لأن شيخ الإخلاق الحسن بن أحمد الوراق لم أجد ترجمة فيها عندي الآن من كتب الرجال. وكذلك شيخه علي بن موسى الخناد لم أعرفه، وإن قيل في السند أنه كان صدوقاً، فإن الظاهر أن القائل هو الوراق هذا، وقد عرفت حاله.

الثاني: إنه ثبت ذلك عنه، فإنه أخص مما رواه أبو داود عنه، ويتبع من الجمع بين الروایتين عنه أن مذهبه كراهة القراءة عند القبر إلا عند الدفن»^(۱)

جواب: (۲)

لیکن جیسا کہ گذر گیا علامہ غلالؒ نے یہ قصہ دوسروں سے ذکر کیا ہے، اور دوسری روایت کے راوی بھی مشہور ہیں، پہلی روایت کے راویوں سے متعلق علامہ الہائیؒ نے کوئی قابل ذکر جرح بھی نقل نہیں کی ہے، بلکہ یہ لکھا ہے کہ مجھے ان کا ترجمہ نہیں ملا ہے، نیچے اس قصہ کی اسنادی حیثیت پیش کی جاتی ہے۔

یہ قصہ امام غلالؒ نے دوسروں کے ساتھ کے نقل کیا ہے، پہلی سند میں امام غلالؒ نے یہ قصہ اپنے شیخ حسن بن احمد وراقؒ سے، انہوں نے علی بن موسیٰ حدادؒ سے، اور انہوں نے امام احمد بن حنبلؒ اور محمد بن قدامہ جوہریؒ سے نقل کیا ہے۔

اور دوسری سند میں امام غلالؒ نے یہ قصہ اپنے شیخ ابو بکر بن صدوقؒ سے، اور انہوں نے عثمان بن احمد موصلیؒ سے، اور انہوں نے امام احمد بن حنبلؒ اور محمد بن قدامہ جوہریؒ سے۔

(۱) احکام الجنائز ص ۱۹۲۔

(۲) علامہ الہائیؒ پر جس طرح تفصیلی رد ہم نے کی تھی تقریباً ہی طرح علامہ محمود سعید محمد

نے بھی کی ہے۔ ملاحظہ ہو: کشف الستور عما أشكل من أحكام القبور ص

۲۳۲-۲۳۳۔

پہلی سند کے راویوں کے حالات:

(۱) حسن بن احمد وراقؒ:

یہ امام غلالؒ کے شیخ ہیں، امام غلالؒ نے ان سے بہت استفادہ کیا ہے، چنانچہ قاضی ابن ابی یعلیٰ حنبلیؒ اپنی کتاب «طبقات الحنابلة» میں موسیٰ بن عیسیٰ جصاص بغدادیؒ کے ترجمہ میں امام غلالؒ کے حوالے سے لکھے ہیں:

«ذكره الخلال فقال: ... وكانت عنده مسائل كثيرة عن أبي عبدالله، فحدثني بشيء صالح الحسن بن أحمد الوراق وقال: إن الباقي ضاع مني، فمضيت إلى الحريية إلى منزل ابنته قلنا: لعننا نجد الأصول وحرصنا على ذلك فلم نقدروا منها على شيء»^(۱)

[ترجمہ] "امام غلالؒ فرماتے ہیں: ... موسیٰ بن عیسیٰ کے پاس ابو عبد اللہ امام احمد بن حنبلؒ کے بہت مسائل تھے، جن میں سے ایک اچھی مقدار ہم سے امام حسن بن احمد وراقؒ نے بیان کی ہیں، اور انہوں نے فرمایا کہ باقی مجھ سے ضائع ہو گئی ہے، تو میں حریہ میں ان کی بیٹی کے گھر گیا، ہم سمجھ رہے تھے کہ شاید ہمیں کچھ مزید مسودات مل جائیں گے، لیکن کچھ نہ مل سکا۔"

اس عبارت سے امام حسن وراقؒ کی جہالت فہم ہو جاتی ہے، ان کی شہرت اور تعریف کے لیے اس قدر کافی ہے، کہ وہ امام غلالؒ کے شیخ اور امام موسیٰ بن عیسیٰ کے شاگرد ہیں، اور ان کے پاس امام احمد بن حنبلؒ کے بہت مسائل اور کتابیں تھیں، یہاں

(۱) احکام الجنائز ص ۱۹۲۔

چونکہ کسی حدیث کے رجال کی توثیق مقصود نہیں، بلکہ ایک تاریخی روایت کی حقیقت مقصود ہے، لہذا اس کے لیے امام وراق کی اتنی شہرت کافی ہے، جبکہ یہ جرح بھی حقیقت ایک اور سند سے بھی مروی ہے۔

حسن بن احمد وراقؒ کے حالات کے بارے میں بعض نے جو یہ لکھا کہ علامہ ابن عساکرؒ نے اس کے حالات «تاریخ دمشق» ۳/۴۰۲ میں لکھے ہیں، ان کے الفاظ یہ ہیں:

«وان ترجم ابن عساکر الوراق فی تاریخہ (۴/۳۰۲) ولم يذكر جرحا وتعديلا فيه»^(۱)

لیکن یہ یقینی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ اس سے مراد وہی ہے، بندہ کے سامنے ایسے کئی حضرات تراجم کی کتابوں میں سامنے گذرے جن کا نام حسن بن احمد وراق تھا، لیکن زمانی اعتبار سے وہ علامہ خلیلؒ کے استاذ بھی نہیں بن سکتے تھے۔

(۲) علی بن موسیٰ حدادیؒ

علامہ ابن خلیلؒ نے اپنی کتاب «ذیل تاریخ بغداد» میں ان کا ترجمہ نقل کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

«[۹۷۲] علي بن موسى الحداد روى عن أبي عبد الله أحمد بن حنبل ومحمد بن قدامة الجوهري، أنبأنا عبد الوهاب بن علي، عن محمد بن عبد الباقي الأنصاري، أن إبراهيم بن عمر البرمكي، أخبره عن

(۱) الإمتاع بالأربعين للشبابة الساج ص ۸۵.

عبد العزيز بن جعفر بن أحمد الفقيه، أنبأنا أبو بكر أحمد بن محمد ابن هارون الخلال...»^(۱)

اس کے بعد علامہ ابن خلیلؒ نے امام خلیلؒ سے امام احمدؒ اور امام محمد بن قدامةؒ جو بری کا قصہ نقل کیا ہے۔ نیز علی بن موسیٰ حدادیؒ کے بارے میں خود امام خلیلؒ نے بھی توثیق کے الفاظ استعمال کئے ہیں، وہ لکھتے ہیں: «وكان صدوقا، وكان ابن حماد المقرئ يرويه إليه». (اور وہ صدوق (سچے) ہیں، اور علامہ ابن حماد مقرئ ان کی طرف رہنمائی فرماتے تھے)، اگرچہ یہ جملہ امام وراقؒ کا ہو، جب بھی یہ الفاظ ان کی شہرت اور عدالت کے لئے کافی ہیں، کیونکہ امام وراقؒ بھی کوئی بھول راوی نہیں، پیچھے ان کی تعریف کے بارے میں گذر گیا ہے، جبکہ یہ قصہ ایک اور سند سے بھی مروی ہے۔

دوسری سند کے راویوں کے حالات:

امام خلیلؒ نے یہ قصہ دوسری سند کے ساتھ بھی ذکر کیا ہے، اس میں دو راوی ہیں:

(۱) ابو بکر بن صدوق (۲) عثمان بن احمد بن ابراہیم موصلیؒ۔

(۱) ابو بکر بن صدوقؒ:

یہ ابو بکر احمد بن محمد بن عبد اللہ بن صدوق بغدادی ہیں، علامہ ذہبیؒ نے ان کو «حافظ» کے لقب سے یاد کیا ہے، اور لکھا ہے کہ موصوف نے امام احمدؒ سے مدون مسائل

(۱) ذیل تاریخ بغداد ۴/۱۴۵.

حاصل کئے ہیں، اور ان سے امام غلال وغیرہ نے استفادہ کیا ہے۔^(۱) ان کا انتقال ۳۹۵ھ کو ہوا ہے۔^(۲)

(۲) عثمان بن احمد بن ابراہیم موسلی:

قاضی ابویعلیٰ فرماتے ہیں کہ عثمان بن احمد موسلی ہمارے امام احمد بن حنبل کے ساتھ رہے ہیں، اور ان سے بہت سے مسائل نقل کئے ہیں، اس کے بعد قاضی ابویعلیٰ نے مذکورہ قصہ بھی ان کے حوالے سے نقل کیا ہے، ان کی عبارت ملاحظہ ہو:

«عثمان بن أحمد الموصلي، صاحب إمامنا وروى عنه أشياء، منها ما نقلته من المجموع لأبي حفص البرمكي، قال: كان أبو عبد الله أحمد بن حنبل في جنازة فلما انتهى إلى القبر رأى رجلاً يقرأ على القبر فقال أقيموه لي، وقائم إلى جنبه محمد بن قدامة الجوهري فقال له يا أبا عبد الله كيف مبشر بن إسماعيل عندك فقال: ثقة. فقال: فإنه حدثنا عن عبد الرحمن بن العلاء بن اللجلاج قال: قال لي أبي: إذا أنا مت فوضعتني في لحدي فسو قبري واقعد عند قبري وقرأ فاتحة سورة البقرة وختمتها فلاني رأيت ابن عمر يفعل ذلك. فقال أبو عبد الله ابعتوا لي ذلك فردوه.»^(۳)

(۱) تاریخ الإسلام ۵/ ۲۴۱.

(۲) تخریج ملاحظہ ہو: طبقات الحنابلة ۱/ ۱۵۶.

(۳) طبقات الحنابلة ۲/ ۱۱۵.

حنابلہ کا منقبی پر مسلک:

الغرض یہ قصہ دو سندوں سے منقول ہے، اور دونوں سندیں اس لائق ہیں کہ ان سے یہ تاریخی خبر قبول کی جاسکے، اسی بنا پر متحد و منقبی مسلک کے محدثین اور فقہاء نے امام احمد بن حنبل کا اصح مسلک بھی نقل کیا ہے کہ قبر کے پاس قرآن کی تلاوت جائز ہے مگر وہ نہیں ہے، اور ان کا یہ رجوع بھی نقل کیا ہے۔

ابن قدامہ کا حوالہ:

چنانچہ علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ مقدسی منقبی لکھتے ہیں:

«ولا تنكرو القراءة على القبر في أصح الروايتين، وأي قرينة فعلها وجعلها للحنيت المسلم نفعه ذلك.»^(۱)

اور علامہ ابن قدامہ ایک اور جگہ تفصیل سے لکھتے ہیں:

«فصل: قال ولا بأس بالقراءة عند القبر، وقد روي عن أحمد أنه قال: إذا دخلتم المقابر اقرأوا آية الكرسي وثلاث مرات ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ ثم قل: اللهم إن فضله لأهل المقابر. وروي عنه أنه قال: القراءة عند القبر بدعة. وروي ذلك عنه هشيم. قال أبو بكر: نقل ذلك عن أحمد جماعة، ثم رجع رجوعاً أبان فيه عن نفسه، فروى جماعة أن أحمد نهى ضرباً أن يقرأ عند القبر، وقال له: إن القراءة عند القبر بدعة، فقال له محمد بن قدامة الجوهري: يا أبا عبد الله! ما تقول في

(۱) المقنع في فقه الإمام السنة أحمد بن حنبل ۱/ ۲۸۲-۲۸۳.

مبشر الحلبي؟ قال: ثقة. قال: فأخبرني مبشر عن عبد الرحمن بن العلاء ابن اللجلاج عن أبيه أنه أوصى إذا دفن، يقرأ عنده بقائعة البقرة وخاتمتها، وقال: سمعت ابن عمر يوصي بذلك.

وقال الخلال: حدثني أبو علي الحسن بن الهيثم البزار شيخنا الثقة المأمون قال رأيت أحمد بن حنبل يصلّي خلف ضرير يقرأ على القبور. وقد روى عن النبي ﷺ أنه قال: من دخل المقابر فقرأ يس خفف عنهم يومئذ وكان له بعدد من فيها حسنات. وروي عنه عليه السلام: من زار قبر والده أو أحدهما فقرأ عنده أو عندهما يس غفر له.^(۱)

امام احمد بن حنبلؒ کے دیگر اقوال:

امام احمد بن حنبلؒ سے بعض دیگر اقوال بھی منقول ہیں، جن سے ان کا رجوع ثابت ہوتا ہے، چنانچہ امام غزالیؒ لکھتے ہیں:

(۲) «أخبرني العباس بن محمد بن أحمد بن عبد العزيز، قال: حدثنا جعفر [بن محمد] بن الحسين [الحسن] التيسابوري، عن سلمة بن شبيب، قال: أتيت أحمد بن حنبل فقلت له: إن عفان يقرأ عند قبر في المصحف، فقال له أحمد بن حنبل: ختم له بخير».^(۳)

(۱) المغني لابن قدامة ۳/ ۵۱۸-۵۱۹، طبع القاهرة.

(۲) القراءة عند القبور ص ۱ و الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر ۱/ ۲۹۲ للخلال.

[ترجمہ]: "سلمہ بن شبيبؒ فرماتے ہیں کہ میں امام احمد بن حنبلؒ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ امام عفانؒ قبر کے پاس قرآن مجید میں تلاوت کر رہے تھے، تو امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا اس کا خاتمہ بخیر ہو"

اس روایت میں ابو الفضل جعفر بن محمد بن حسین تیسابوریؒ تھے، ان کی وفات ۲۹۴ھ ہے، علامہ ذہبیؒ نے ان کے بارے میں لکھا ہے: فمن الثقات الأثبات^(۱) اور ابو عبد الرحمن سلمہ بن شبيب تیسابوریؒ مسنیؒ بھی تھے، ان کی وفات ۴۳۶ھ کی۔^(۲)

اور اس روایت میں جس عفان کا ذکر ہے، وہ امام ابو عثمان عفان بن مسلم بن عبد اللہ صفار بصریؒ ہے، جن کی ولادت ۳۳ھ اور وفات ۲۳۰ھ ہے، یہ صحابہ ست کے راوی ہے، اور تھے ہیں۔^(۳)

(۳) اور امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

«أخبرني الحسن بن الهيثم البزار قال: رأيت أحمد بن حنبل يصلّي خلف ضرير يقرأ عند القبر».^(۴)

(۱) تاريخ الإسلام ۶/ ۹۲۳.

(۲) ملاحظہ ہو: تہذیب التہذیب ۴/ ۱۶۹، تقریب التہذیب ۱/ ۳۷۷.

(۳) ان کے تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ ہو: تہذیب التہذیب ۷/ ۲۰۵.

(۴) القراءة عند القبور ص ۱.

[ترجمہ] "حسن بن یزید فرماتے ہیں کہ میں امام احمد بن حنبلؒ کو دیکھا کہ وہ ایک تاجین کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، جو قبر کے پاس قرآن کی تلاوت کرتا تھا۔"
(۳) اور امام غزالی کے شاگرد علامہ ابو بکر عبد العزیز بن جعفر [۳۸۵ھ / ۹۹۳ء] اپنی کتاب "الشافعی" میں لکھتے ہیں:

"قال محمد بن أحمد المروزي سمعت أحمد بن حنبل أنه قال: إذا دخلتم المقابر اقرأوا آية الكرسي وثلاث مرات ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ ثم قل: اللهم إن فضله أهل المقابر."^(۱)

[ترجمہ] "علامہ مروزی فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبلؒ سے سنا وہ فرما دہ فرما رہے تھے کہ جب تم قبرستان میں داخل ہو جاؤ تو آیت الکرسی اور تین مرتبہ ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ پڑھو، اور پھر کہو یا اللہ! اس کا ثواب قبرستان والوں کے لیے"
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ عام اوقات میں بھی قبرستان میں قرآن پڑھنے کے جوڑے قائل ہیں۔

علامہ ابن تیمیہؒ اور مذہب امام احمد بن حنبلؒ:

علامہ ابن تیمیہؒ [۶۶۱ھ / ۱۲۶۲ء] نے اس مسئلے سے متعلق تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے، اور اس ضمن میں امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب کے حوالے سے بھی تفصیل نقل کی ہے، لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی عبارت نقل کی جائے، وہ لکھتے ہیں:

(۱) المغنی لابن قدامة ۳/ ۵۱۸-۵۱۹.

لكن اختلفوا في القراءة عند القبور هل تكروه أم لا تكروه؟ والمسألة مشهورة وفيها ثلاث روايات عن أحمد: إحداه: أن ذلك لا بأس به. وهي اختيار الحلال وصاحبه وأكثر المتأخرين من أصحابه. وقالوا: هذه الرواية المتأخرة عن أحمد وقول جماعة من أصحاب أبي حنيفة، واعتدوا على ما نقل عن ابن عمر أنه أوصى أن يقرأ على قبره وقت الدفن بفواتيح البقرة وخواتيمها. ونقل أيضا عن بعض المهاجرين قراءة سورة البقرة.

والثانية: أن ذلك مكروه. حتى اختلف هؤلاء هل تقرأ الفاتحة في صلاة الجنائز إذا صلى عليها في المقبرة، وفيه عن أحمد روايتان وهذه الرواية هي التي رواها أكثر أصحابه عنه وعليه قدام أصحابه الذين صحبوه كعبد الوهاب وأبي بكر المروزي ونحوهما وهي مذهب جمهور السلف كأبي حنيفة ومالك وشمس بن بشر وغيرهم، ولا يحفظ عن الشافعي نفسه في هذه المسألة كلام. وذلك لأن ذلك كان عنده بدعة. وقال مالك: ما علمت أحدا يفعل ذلك. فعلم أن الصحابة والتابعين ما كانوا يفعلونه.

والثالثة: أن القراءة عنده وقت الدفن لا بأس بها. كما نقل عن ابن عمر رضي الله عنه وبعض المهاجرين وأما القراءة بعد ذلك، مثل الذين يتتابون القبر للقراءة عنده فهذا مكروه، فإنه لم ينقل عن أحد من السلف مثل ذلك أصلا. وهذه الرواية لعلها أقوى من غيرها لما فيها من التوفيق بين الدلائل. والذين كرهوا القراءة عند القبر كرهها

بعضہم وإن لم يقصد القراءة هناك، كما نكره الصلاة، فإن أحمد نبی
القراءة عند القبر، ومع هذا فالفرق بین ما یفعل ضمنًا وتبعًا وما یفعل
لأجل القبر بین کیا تقدم^(۱)۔

[ترجمہ] "قبر کے پاس قرآن پڑھنے کے بارے میں ائمہ فقہاء کا اختلاف ہے کہ یہ
مکروہ ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ بہت مشہور ہے، اور اس سلسلہ میں امام احمد بن حنبل سے کئی
روایات ہیں۔

پہلی روایت: اس میں کوئی حرج نہیں۔

اس کو امام غزالی اور ان کے شاگرد متاخرین مثالیہ نے پسند کیا ہے، اور یہ حضرات
کہتے ہیں کہ یہی امام احمدؒ کی آخری روایت ہے، اور یہی حنفیہ کی ایک جماعت کی رائے ہے،
ان حضرات نے حضرت ابن عمرؓ کی اس روایت پر اجماع کیا ہے کہ انہوں نے یہ وصیت کی
تھی کہ ان کے قبر کے پاس دفن کے بعد سورت بقرہ کا شروع اور آخر پڑھا جائے، اور بعض
مہاجرین صحابہ کرام سے بھی سورت بقرہ کی قراءت ثابت ہے۔

دوسری روایت: یہ ہے کہ یہ مکروہ ہے۔

اس فریق کا اس میں اختلاف ہے کہ اگر مقبرہ میں نماز جنازہ پڑھی جائے تو پھر
سورت فاتحہ پڑھا جائے گا یا نہیں؟ اس بارے میں امام احمدؒ نے دو روایتیں منقول
کی ہیں اور یہ روایت امام احمدؒ کے اکثر شاگردوں نے روایت کی ہے۔ اور اسی مسلک پہ ان کے

(۱) اقتضاء الصراط المستقیم ۲/ ۷۳۶-۷۳۷۔

قدیم شاگرد ہیں، جیسے عبد الوہاب وراثی اور ابو بکر مردنی اور ان جیسے دیگر، اور یہی
جمہور سلف کا مسلک ہے، جیسے امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ بن بشرؒ وغیرہ اور امام
شافعیؒ نے خود اس مسئلے کے بارے میں کوئی کام محفوظ نہیں، اور یہ اس وجہ سے کہ ان
کے نزدیک یہ بدعت ہے، اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں ہے کہ کسی نے یہ
کیا ہو، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین یہ نہیں کرتے تھے۔

تیسری روایت: یہ ہے کہ دفن کے وقت قرآن پڑھنے میں کوئی حرج نہیں
ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن عمرؓ اور دیگر بعض مہاجرین صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے، اور لوگوں
کی جو عادت ہے کہ دفن کے بعد باری باری قرآن پڑھنے کے لیے آتے ہیں تو یہ مکروہ
ہے کیونکہ یہ سلف میں سے کسی سے بھی منقول نہیں ہے۔ اور یہ روایت شاید تمام روایتوں
میں زیادہ قوی ہے کیونکہ اس کی بنا پر تمام دلائل میں تحقیق ہو جاتی ہے۔ اور جن حضرات
نے قبر کے پاس قرآن پڑھنے کو مکروہ قرار دیا ہے، ان میں سے بعض نے اس صورت کو
بھی مکروہ قرار دیا ہے کہ اگرچہ کسی کا وہاں پر قرآن پڑھنے کا ارادہ نہ ہو، جیسا کہ قبر کے
پاس نماز مکروہ ہے، کیونکہ امام احمدؒ نے مقبرہ میں نماز پڑھنے کی صورت میں قرآن
پڑھنے سے منع کیا ہے اور یہ بات واضح ہے کہ نماز میں قرآن مجید پڑھنا نہایت
مقصود نہیں ہے، بہر حال جو کام ضمنًا اور تبعًا کیا جاتا ہے اس میں اور جو کام قبر کی نیت
سے کیا جائے اس میں واضح فرق ہے، جیسا کہ گذر گیا۔

علامہ ابن تیمیہؒ کی عبارت کا ترجمہ:

اس عبارت میں علامہ ابن تیمیہؒ نے مکمل صراحت کے ساتھ اپنا راجح مسلک واضح
نہیں کیا ہے، یہی بات علامہ ابن تیمیہؒ کے ہاں دیگر مکتبوں میں بھی پائی جاتی ہے، وہ ایک

مسئلہ سے متعلق عبارت کا ایک جھوم چھوڑ جاتے ہیں، لیکن وضاحت کے ساتھ دونوں انداز میں لہذا درج مسلک واضح نہیں کرتے، البتہ اگر ان کی اس عبارت میں غور کیا جائے تو یوں لگتا ہے کہ انہوں نے تیسری روایت کو راسخ قرار دیا ہے، اور یہ ہے کہ دفن کے وقت قرآن مجید کی قراءت چوتھ جہت سے، لہذا یہ تو جائز ہے اور بدعت نہیں ہے، لیکن مستقل طور پر اس کی عادت نہیں بنائی چاہیے کہ باری باری اگر قرآن مجید کی تلاوت کی جائے۔

علامہ ابن تیمیہؒ کے یہ الفاظ اس روایت کی ترجیح پر دلالت کرتے ہیں: «وهذه الرواية لعلها أقوى من غيرها لما فيها من التوفيق بين الدلائل»۔

(اور یہ روایت شاید تمام روایتوں میں زیادہ قوی ہے کیونکہ اس کی بنا پر تمام دلائل میں تطبیق ہو جاتی ہے)۔

علامہ ابن تیمیہؒ کی اس عبارت میں بعض باتیں حقیق طلب ہیں، یہاں اس سے متعلق بھی مختصر کلام فائدہ سے خالی نہیں، ملاحظہ ہو:

(۱) بظاہر علامہ ابن تیمیہؒ نے ابن عمرؓ کے حدیث کا اصلی معنادر کی طرف مراجعت نہیں کی، یہی وجہ ہے کہ وہ اس کو صرف ابن عمرؓ کی وصیت قرار دیتے ہیں، حالانکہ یہ دو مرفوع حدیثوں سے بھی ثابت ہے۔

(۲) علامہ ابن تیمیہؒ نے امام شافعیؒ کے مذہب سے متعلق جو کھلے کہ: "اور امام شافعیؒ نے خود اس مسئلہ کے بارے میں کوئی کلام محفوظ نہیں، اور یہ اس وجہ سے کہ ان کے نزدیک یہ بدعت ہے"

یہ درست نہیں، کیونکہ امام شافعیؒ سے باقاعدہ سند کے ساتھ قبر کے پاس قرآن پڑھنے کا جو احادیث ہے، جیسا کہ "مذہب شافعی" کی بحث میں تفصیل سے نقل کیا گیا ہے۔

شیخ محمود سعید مدوح لکھتے ہیں:

قال العبد الضعيف: أخطأ ابن تيمية على الإمام الشافعي رحمه الله تعالى، فنفى الثابت عنه، وقوله ما لم يقله. (۱)

(۳) علامہ ابن تیمیہؒ نے امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کا جو مسلک نقل کیا ہے، ہمیں اس میں بھی تردید ہے، کیونکہ ابھی تک اس کی کوئی سند نہیں ملی۔

(۴) اور انہوں نے امام مالکؒ کے کلام کے بعد جو یہ لکھا ہے کہ "اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین سے نہیں کرتے تھے" یہ بھی درست نہیں، کیونکہ یہ صحابہ اور تابعین سے یہ ثابت ہے، اور اس سے بڑھ کر یہ کہ نبی کریم ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ نے اس مسئلہ سے متعلق اپنے فتاویٰ میں بھی بحث کی ہے، ملاحظہ ہو:

«وأما القراءة الدائمة على القبور فلم تكن معروفة عند السلف. وقد تنازع الناس في القراءة على القبر فذكرها أبو حنيفة ومالك وأحمد في أكثر الروايات عنه، وخصص فيها في الرواية المتأخرة لما بلغه أن عبد الله بن عمر أوصى أن يقرأ عند دفنه بقواتح البقرة وخواتمها.»

وقد نقل عن بعض الأنصار أنه أوصى عند قبره بالبقرة وهذا إنما كان عند الدفن، فأما بعد ذلك فلم ينقل عنهم شيء من ذلك، ولهذا فرق في القول الثالث بين القراءة حين الدفن والقراءة الراجعة بعد الدفن، فإن هذا بدعة لا يعرف لها أصل»^(۱)

امام خلیل اور مذہب امام احمد بن حنبلؒ

امام خلیلؒ کا ذکر پچھلے صفحات میں کی جا رہا ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ان کا کچھ تذکرہ ہو جائے، امام خلیلؒ کا فتنہ حنبلی میں بہت بلند مقام ہے، علامہ ذہبیؒ نے ایک مقام پر بہت بلند الفاظ میں ان کی تعریف کی ہے، چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ کے حالات میں ان کے شاگردوں کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

"امام احمدؒ کے ان تمام شاگردوں کے پاس امام احمدؒ کے جتنے بھی اقوال اور فتاویٰ تھے اور غلطی، جہل، سنت اور فردی مسائل سے متعلق جتنے بھی ارشادات تھے، وہ سب کے سب امام ابو بکر خلیلؒ نے جمع کئے ہیں، یہاں تک کہ امام خلیلؒ کے پاس اتنا مواد اکٹھا ہو گیا جن کو بیان نہیں کیا جاسکتا ہے کیونکہ وہ بہت زیادہ ہیں۔"

اور امام خلیلؒ نے اس کے حصول کے لئے اطراف و اکناف کا سفر کیا، اور امام احمدؒ کے تقریباً سو شاگردوں سے ان کے علوم کو لکھا، پھر ان کے شاگردوں کے شاگردوں سے ان کے علوم کو لکھا، اور بعض مرتبہ انہوں نے ایک استاد سے، انہوں نے اپنے استاد سے، انہوں نے اپنے استاد سے، اور انہوں نے امام احمد بن حنبلؒ سے روایت کی ہے (یعنی امام

(۱) فتاویٰ ابن تیمیہ ۲/۳۱۷.

احمدؒ تک تین واسطے ہوتے ہیں) امام خلیلؒ نے جب یہ علوم حاصل کیے، تو اس کے بعد ان کی تدوین، تہذیب اور ترتیب میں مشغول ہو گئے، اور "كتاب العلم"، "كتاب العلل" اور "كتاب السنة" لکھیں، ان میں سے ہر ایک تین تین جلدوں میں ہے۔ اور ان کتابوں میں امام خلیلؒ نے امام احمدؒ کے ہم عصر ائمہ جیسے امام ابن عیینہؒ، امام وکیعہؒ اور امام جہیرؒ کے شاگردوں سے اتنی عالی سندوں کے ساتھ احادیث کی روایت کی ہے، جو ان کی امامت اور بلند مرتبہ کی دلیل ہے۔ اور انہوں نے "كتاب الجامع" دس سے زیادہ جلدوں میں لکھی۔ اور خود امام خلیلؒ اپنی کتاب "اخلاق أحمد بن حنبل" میں اپنے بارے میں فرماتے ہیں: "ایسا کوئی شخص نہیں جس نے ابو عبد اللہ امام احمدؒ کے مسائل کا اس قدر اہتمام کیا ہو جتنا میں نے کیا ہے، اور اسی طرح امام ابو بکر مروزیؒ بھی مجھ سے فرماتے تھے کہ ابو عبد اللہ امام احمدؒ کے مسائل کا جس قدر اہتمام آپ نے کیا ہے اتنا کسی نہیں کیا ہے، البتہ بعد ان کے ایک اور شخص ہے، جن کا لقب شافعی ہے، اور اس کا نام محمد بن ابی عبد اللہ ہے انہوں نے ستر ضخیم جلدیں لکھی ہیں۔ اور امام خلیلؒ کی ولادت امام احمدؒ کی زندگی میں ہوئی ہے، اس لئے ممکن ہے کہ انہوں نے بچپن میں امام احمدؒ کی زیارت کی ہو۔"

علامہ ذہبیؒ کے الفاظ ملاحظہ ہو:

"و جمع أبو بکر الخليل سائر ما عند هؤلاء من أقوال أحمد وفتاوى وكلامه في العلل والرجال والسنة والقروع حتى حصل عنده من ذلك ما لا يوصف كثرة. ورحل إلى النواحي في تحصيله وكتب عن نحو مئة نفس من أصحاب الإمام. ثم كتب كثيرا من ذلك عن أصحاب أصحابه، وبعضه عن رجل، عن آخر، عن آخر، عن الإمام أحمد ثم أخذ في ترتيب ذلك وتهذيبه وتبويبه وعمل كتاب "العلم" وكتاب

«العلل» وكتاب «السنة» كل واحد من الثلاثة في ثلاث مجلدات. ويروي في غضون ذلك من الأحاديث العالية عنده، عن أقران أحد من أصحاب ابن عيينة ووكيع وبقية مما يشهد له بالإمامة والتقدم. وألف كتاب «الجامع» في بضعة عشر مجلدة أو أكثر. وقد قال في كتاب «أخلاق أحمد بن حنبل»: لم يكن أحد علمت عني بمسائل أبي عبدالله قط ما عنت بها أنا، وكذلك كان أبو بكر المروزي رحمه الله يقول لي: إنه لم يعن بمسائل أبي عبدالله ما عنت بها أنت إلا رجل بهذان يقال له مثويه، واسمه محمد بن أبي عبدالله، جمع سبعين جزءاً كباراً. ومولد الخلال كان في حياة الإمام أحمد يمكن أن يكون رآه وهو صبي»^(۱)

اور علامہ ذہبی نام غلال کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

«ثم إنه صنف كتاب «الجامع في الفقه» من كلام الإمام، بأخبرنا وحدثنا، ويكون عشرين مجلداً، وصنف كتاب «العلل» عن أحد في ثلاث مجلدات، وألف كتاب «السنة وألفاظ أحمد، والدليل على ذلك» في ثلاث مجلدات، تدل على إمامته وسعة علمه، ولم يكن قبله للإمام مذهب مستقل، حتى تتبعه ونصوص أحمد، ودونها وبرهنها بعد الثلاث مئة، فرحمه الله تعالى. قال أبو بكر بن شهريار: كلنا تبع لأبي بكر

الخلال، لم يسبقه إلى جمع علم الإمام أحمد أحد. قلت: الرواية عنه عزيزة»^(۱)

امام غلال کا یہ تفصیلی تذکرہ اس لیے کیا گیا: تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ امام غلال کا مثلی فقہاء کرام میں کیا مقام ہے؟ اور وہ امام احمد کا جو مذہب نقل کرے اس کی کیا حیثیت ہوگی؟ پیچھے اس کتاب میں تفصیل سے ان کے حوالے گزر چکے ہیں، وہ قبر کے پاس قرآن کی تلاوت کے جواز کے قائل ہیں، اور انہوں نے امام احمد کا مسلک بھی جواز کا نقل کیا ہے۔

☆☆☆

اکابر علماء دیوبند کی آراء و فتاویٰ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تبر کے پاس قرآن کی تلاوت کے سلسلے میں اکابر علماء دیوبند کا نقطہ نظر بھی ذکر کیا جائے، اکابر علماء دیوبند اگرچہ حنفی مذہب سے تعلق رکھتے ہیں، اور حنفیہ کا مفتی بہ مسلک جواز کا پہلے بیان کیا گیا، تاہم خصوصیت کے ساتھ ان حضرات کی عبادت میں بھی نقل کی جاتی ہیں۔

(۱) مفتی رشید احمد ننگوی [۱۲۳۳ھ / ۱۳۲۳ھ]:

موصوف ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"سوال: میت کو دفن کرنے کے بعد شہادت جی انگلی سرہانے اور پائنتیں رکھ کر دو شخص اول آخر سورۃ بقرہ پڑھتے ہیں، اور ست ہے یا نہیں؟

جواب: اول آخر سورۃ بقرہ پڑھنا تو حدیث شریف میں وارد ہوئے، مگر خصوصیت انگلی کی نہیں ہے، فقط۔" (۱)

اور ایک اور سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

"سوال: قبرستان میں قرآن شریف آواز سے پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

جواب: قبرستان میں قرآن شریف پکار کر اور آہستہ دیکھ کر اور حفظ سب طرح پڑھنا درست ہے، فقط۔" (۲)

(۱) فتاویٰ رشیدیہ ص ۴۶۷۔

(۲) فتاویٰ رشیدیہ ص ۴۶۶۔

اور ایک اور سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

"جواب: قبر پر قرآن پڑھنا درست ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ ہو، اجرت کا خیال دونوں کا نہ ہو، اور جو حسب قاعدہ عرف دیا جاتا ہے وہ بھی بخم اجرت ہے، ایسے پڑھنے کا ثواب نہیں ہوتا، نہ قاری کو نہ میت کو، اور سوم، چچو، دسویں وغیرہ میں جانا منع ہے۔" (۱)

۲- مولانا اشرف علی تھانوی [۱۲۸۰ھ / ۱۳۶۲ھ]:

موصوف ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"بعد دفن اول سورہ بقرہ اور آخر اس کا قبر پر پڑھنا تن عمر سے ثابت ہے: «فكان ابن عمر يستحب أن يقرأ بعد الدفن أول سورة البقرة وخاتمتها» (رد المحتار ۱/۶۰۱)۔

اور بحث رکھنا میری نظر سے نہیں گذرا۔ غلیظ تحقیق، اور نیز رسول اللہ ﷺ سے قبر کے سرہانے اول سورہ بقرہ اور پائنتی پر آخر اس کا پڑھنا ثابت ہے: «فقد ثبت أنه ﷺ قرا عند رأس الميت وأخراها عند رجليه» (رد المحتار ۱/۶۰۵)۔

اور قراءت اول بقرہ سے «مفلحون» تک اور آخر «آمن الرسول» سے فتح تک ہے، غلیظ حفظ۔" (۲)

(۱) فتاویٰ رشیدیہ ص ۴۶۸۔

(۲) امداد الفتاویٰ ۱/۵۷۴-۵۷۳۔

اور ایک دوسری جگہ میں اس سے تفصیل کے ساتھ اس بارے میں بحث کی ہے،
سوال وجواب دونوں ملاحظہ ہوں:

سوال: درمختار کی مہارت ذیل سے «لایکروہ الدفن لیلاً ولا إجملاً»
القانونین عند القبر وهو المختار۔ اور اس کی شرح میں رد المحتار کی مہارت ہے:

یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ حدیث میں حضور ﷺ نے اس کے پڑھنے کا حکم
دیا ہے، خود پڑھنے کی بات حدیث میں نہیں ہے۔ اس کے بارے میں پہلے بھی ملا علی
قاری کے حوالے کے تحت حمید کی گئی تھی۔

«لایکروہ الجلوس للقراءة علی القبر فی المختار، لتأدب القراءة علی
الوجه المطلوب بالسکينة والتدبیر والاعتناظ اھ۔ دریافت طلب امر یہ ہے
کہ اجلاس قادی عند القبر کی کیا صورت ہوگی، اجرت پر یا لحاظ و مرمت سے بچانے میں تو
ثواب ہی قادی کو نہ ملے گا، ایصال ثواب میت کو کس طرح کر سکے گا، اب یہ خیال کہ
لحیث سے پڑھیں گے تو اجلاس کا لفظ اس کے متناہی ہے، ایسی صورت میں احتساب سخت
دشوار ہے، امید ہے کہ جو الی شافی سے مطلع فرمادیں؟

جواب: اصل موضوع مسئلہ کا قراءۃ القرآن عند القبر ہے، اور جلوس اجلاس اس
کی تعبیرات ہیں جو غیر مقصود ہیں اور مقید ہیں عدم مانع کے ساتھ، اور مانع میں اجرت و جاہ
بھی داخل ہیں، تو قیام بھی جلوس کے ساتھ حکم میں شریک ہوگا، اور اس اجلاس یا اجرت
و جاہ ممنوع ہوگا، اور اجلاس غلی عن الخطور مدت کا تحقیق بھی ممکن ہے، گو مقصود حکم کرنا
ہے قراءۃ القرآن عند القبر کا، چونکہ اس میں ایک قول کرہت کا بھی ہے، اس لیے اس کو
مقصوداً بھی بیان کیا، چنانچہ عالمگیریہ کا جزیئہ اس پر صریح وال ہے قراءۃ القرآن

عند محمد لایکروہ ومشائخنا أخذوا بقوله، وهل يتنفع والمختار أنه يتنفع
هكذا فی «المضمرات» ج ۱ ص ۱۰۷، قلت: والمراد من الانتفاع الأنس
بالقراءة لا وصول الثواب لأنه ليس فيه عند الحنفية»۔

پس اصل مسئلہ کا جواب ہو گیا، اب دونوں قول یعنی کرہت اور عدم کرہت کی
دلیل خبر عایان کی جاتی ہے۔ قول یا کرہت کی وجہ عدم نقل بذال القراءۃ ہے، جیسا کہ اس
روایت سے معلوم ہوتا ہے: «ویکروہ عند القبر ما لم یبعد من السنة والمعہود
منہا لیس إلا زیارته والدعاء عندہ قائماً، کذا فی «ردالمحتار»۔ اور «قول
بعدم الکراہۃ» کی وجہ نقل ہے: «وأكثر ما ورد فيه فی «شرح الصدور»:
عن علي مرفوعاً من مزل علی المقابر وقراً ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ إحدى
عشرة مرة ثم وهب أجره للأموات أعطي من الأجر بعدد الأموات.
أخرجه أبو محمد السمرقندي فی فضائل ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾. وعن أبي
هريرة قال قال رسول الله ﷺ من دخل المقابر ثم قرأ فاتحة الكتاب
﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ و﴿الهاكم التكاثر﴾ ثم قال: اللهم إني جعلت
ثواب ما قرأت من كلامك لأهل المقابر من المؤمنين والمؤمنات كانوا
شفعاء له إلى الله تعالى. أخرجه أبو القاسم سعد بن علي الزنجاني فی
فوائد»۔

وعن أنس أن رسول الله ﷺ قال: من دخل المقابر فقرأ سورة يس
خفف الله عنهم وكان له بعدد من فيها حسنات. أخرجه عبد العزيز
صاحب الحلال بسنده. قال السيوطي: وهي وإن كان ضعيفة
فمجموعها يدل علی أن لذلك أصلاً، قلت: وقد يكتفى بالضعاف فی

الفضائل وقد روى غير ذلك موقوفاً ومرفوعاً، وبعضها أجد إسناداً
كياً في «شرح الصدور» و«آثار السنن»، فمن أثبت ذلك نفى الكراهة
ومن نفاها أثبتها. والله أعلم. (۱)

۳- مفتی کلایت اللہ صاحب (۱۲۹۲ھ/۱۳۷۲ھ):

موصوف ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

”سوال: سورہ بقرہ کا اول میت کے دفن کے وقت اس کے سرہانے پر پڑھنا، آخری
رکوع سورہ بقرہ کا پاؤں کی طرف پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: ہاں یہ مستحب ہے۔“ (۲)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

”سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ دفن کے بعد قبر کے سرہانے اور پاؤں کی جانب کلمہ
کی انگلی رکھ کر اول و آخر سورہ بقرہ پڑھنی چاہیے، اور جو انگلی رکھ کر نہ پڑھے اس کے برا
کہتے ہیں؟

جواب: سورہ بقرہ کا اول و آخر تو پڑھنا ثابت ہے، مگر انگلی رکھ کر پڑھنے کا ثبوت کسی
کتاب میں میری نظر سے نہیں گذرا، البتہ معمول بزرگوں کا انگلی رکھنا ہے، جو نہ کرے
اس پر معمول بزرگان ہونے سے الزام قائم نہیں ہو سکتا۔“ (۱)

۳- مفتی عزیز الرحمن صاحب:

موصوف ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

”جواب: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قبور کے سرہانے
سورہ بقرہ کی اول تین آیتیں اور چروں کی طرف سورہ بقرہ کی اخیر کی تین آیتیں پڑھنا
مستحب ہے، ثانی میں ہے: «وكان ابن عمر يستحب أن يقرأ على القبر بعد
الدفن: أول سورة البقرة وخاتمتها». اور ”مشکوٰۃ شریف“ میں ہے اس روایت
کو مرفوع کیا ہے آنحضرت ﷺ کی طرف، پھر نقل کیا بتقی سے کہ صحیح یہ ہے کہ
روایت موقوف ہے ابن عمر پر۔ بہر حال اس روایت سے اس فعل کا استحباب ثابت
ہوا، لیکن انگلی رکھنے کا قبر پر کچھ ثبوت نہیں ہے اور جب کہ یہ معلوم ہوا کہ یہ فعل مستحب
ہے تو اگر کوئی نہ کرے تو موجب طعن و عتاب نہیں ہے، اور تارک گنہگار نہیں
ہے۔ فقط“ (۲)

ایک اور سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

”سوال: دفن کرنے کے بعد اول سورہ بقرہ اور آخر سورہ مذکورہ کا پڑھنا جو مستون
ہے، جہر سے پڑھا جائے یا نہ؟

(۱) کلایت المفتی ۵۸/۳

(۲) فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۵/۳۳

(۱) امداد الفتاویٰ ۶/۱۹۳-۱۹۴

(۲) کلایت المفتی ۲۲/۳

جواب: جاجیر پڑھا جائے۔ فقط^(۱)

۵۔ مفتی محمود حسن لنگوی [۱۳۲۵ھ/۱۴۱۷ھ]:

موصوف ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

”سورہ بقرہ کا اول آخر پڑھنا حدیث سے ثابت ہے، ان بحث شہادت کا مٹی میں رکھنا جائز نہیں، بلکہ معمول مشائخ ہے، لہذا دونوں صورتوں میں مضائقہ نہیں، بلکہ بہتر ہے کہ سوال و جواب میں آسانی ہوتی ہے، بعض صحابہ نے اس کی وصیت بھی فرمائی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔“^(۲)

۶۔ مفتی رشید احمد لدھیانوی [۱۳۳۱ھ/۱۴۲۳ھ]:

موصوف ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

”سوال: قبر پر قرآن مجید پڑھ کر نکشنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جائز ہے، البتہ اجرت پر قرآن پڑھوانا جائز نہیں۔“^(۳)

۷۔ مولانا سر فراز خان صفدر صاحب مٹوئی [۱۳۳۰ھ/۲۰۰۹ء]:

موصوف ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

”نوٹ: دفن کے بعد قبر کے سرہانے اور اس کے پائنتی میں سورہ بقرہ کا ابتدائی اور آخری حصہ پڑھنا جائز ہے، اور صحیح حدیث سے ثابت ہے، اسی طرح تسبیح و تہلیل اور تہنیت وغیرہ کی دعا احادیث سے ثابت ہے۔“^(۱)

موصوف نے تلاوت قرآن پر اجرت لینے کے مسئلے کے تحت اس مسئلے سے متعلق بھی تفصیل لکھ لی ہے۔^(۲)

اور ایک اور کتاب میں تحریر فرماتے ہیں:

”قائدہ: قبر پر قرآن پڑھنے کے بارے میں حضرات فقہاء کرام کا اختلاف ہے، حضرت امام ابو حنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف کا یہ مسلک نقل کیا گیا ہے کہ وہ اس کو مکروہ فرماتے ہیں، لیکن امام محمدؒ اس کے جواز کا حکم دیتے ہیں، اور فتویٰ اسی پر ہے، چنانچہ امام السید احمد الحططوی اخفی لکھتے ہیں کہ --- (الطحطاوی ص ۳۴۱)۔ ”عالمگیری“ میں ہے کہ ہمارے فقہاء احناف نے امام محمدؒ کا قول لیا ہے کہ عند القبر قرآن کریم پڑھنا درست ہے، اور ”البحر الرائق“ ۱/۲۸۳ میں ہے کہ والفتویٰ علمی قول محمد۔ امام نوویؒ اشرح مسلم ۱/۱۳۱ میں لکھتے ہیں کہ قبر پر کھجور کی ٹہنیاں (جریدہ ٹھن) رکھنے سے یہ افذ کیا جاتا ہے کہ عند القبر قراءۃ قرآن اور تسبیح سے تخفیف عذاب ہوتی ہے۔“^(۳)

(۱) راولسٹ مس ۲۱۹۔

(۲) طاہد بوزرلو راولسٹ ۲۵۴-۲۵۹۔

(۳) سراج مٹوئی مس ۲۳۶-۲۳۷۔

(۱) فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۵/۳۵۰۔

(۲) فتاویٰ محمودیہ ۹/۱۰۸۔ ترجمہ طاہد بوزرلو فتاویٰ محمودیہ ۱۳۵-۱۳۶۔

(۳) احسن الفتاویٰ ۳/۱۹۶۔

۸- مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ:

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی "درس ترمذی" میں ہے:

"یہ ساری بحث تلقین بعد الدفن سے متعلق تھی، جہاں تک دفن کے بعد قبر پر تھوڑی دیر ٹھہرنے، میت کے لیے دعائے مغفرت کرنے اور قرآن شریف پڑھ کر ثواب پہنچانے کا تعلق ہے، سو یہ سب کام مستحب ہیں۔"

اس کے علاوہ قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر سورہ بقرہ کی ابتدائی آیات ﴿وَالَّذِينَ هُمْ أَنفُسُهُمْ﴾ تک اور پانچویں کی طرف سورہ بقرہ کی آخری آیات ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ سے ختم سورہ تک پڑھنا مستحب ہے۔ واللہ اعلم^(۱)

۰۰۰۰۰

ناپالغ بچوں کی قبر پر سورت بقرہ اول و آخر پڑھنے کا حکم

ظاہر ناپالغ بچوں کی قبر پر سورت بقرہ اول و آخر پڑھنا بھی جائز ہے، اگرچہ وہ گناہوں سے پاک ہوتے ہیں، تاہم اس سے ان کے درجات بلند ہوتے ہیں، یا ان کے والدین کو اجر ملتا ہے، نماز جنازہ کی مشہور دعا میں «اللھم اغفر للصغیرنا وکبیرنا» کے الفاظ ہیں، جس میں بچے کے لئے مغفرت کی دعا کی گئی ہے، اس بارے میں بھی یہی جواب دیا گیا ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر کے حوالے سے علامہ سخاوی فرماتے ہیں: «فائدة في طلب المغفرة للصغير:

وأما الحكمة في طلب المغفرة للصغير مع أنه لا يلحقه إثم، فهي كما قال شيخنا رحمه الله إذ سُئل عن قولهم في دعاء الجنائزة «اللهم اغفر لصغيرنا وکبیرنا» بحتمل أوجهاً:

أحدها: أن يكون المراد بطلبها له تعلیقاً ببلوغه إذا بلغ، وفعل ما يحتاج إليها.

ثانيها: أن يكون طالبيها له ينصرف إلى والديه، أو إلى أحدهما، أو إلى من رثاه.

ثالثها: أنه ينصرف إليه برفع منزلته مثلاً، كما في البالغ الذي لا ذنب له إذا فُرض، كمن مات بعد بلوغه بقليل، أو بعد إسلامه الخالص بقليل.

رابعها: أنه يتخرج على أحد أقوال العلماء في الأطفال والمراهقين، وكذا من بلغ العشر من السنين، فإن كل ذلك محتمل لأن المسألة اجتهدية، فيحسن الدعاء لهم بإعتبار ذلك، والله أعلم. (۱)

سورۃ بقرہ کا اول و آخر جبر سے پڑھے یا آہستہ سے؟

قبر کے پاس سورۃ بقرہ کے اول و آخر کی تلاوت بلند آواز سے کی جائے یا آہستہ آواز سے، احادیث و روایات میں تو اس سلسلہ میں کوئی وضاحت موجود نہیں ہے۔ البتہ بعض علماء نے اس سلسلہ میں مختصر کچھ ذکر کیا ہے، مفتی رشید احمد گنگوہیؒ کے حوالے سے پیچھے گزر گیا ہے ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ دونوں طرح درست ہے۔ ملاحظہ ہو:

سوال: قبرستان میں قرآن شریف آواز سے پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

جواب: قبرستان میں قرآن شریف پکار کر اور آہستہ دیکھ کر اور حفظ سب طرح پڑھنا درست ہے، فقط (فتاویٰ رشیدیہ ص ۲۶۶)۔

مفتی عزیز الرحمن صاحب سے اس سلسلے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ بلا جبر پڑھا جائے۔ ان کے الفاظ ملاحظہ ہو:

سوال: دفن کرنے کے بعد اول سورۃ بقرہ اور آخر سورہ مذکورہ کا پڑھنا جو مسنون ہے جبر سے پڑھا جائے یا بلا جبر؟

جواب: بلا جبر پڑھا جائے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۵/ ۳۳۶)

علامہ عبدالحی لکھنویؒ نے اپنی کتاب «مباحثۃ الفکر بالجہور بالذکر» میں اس سلسلہ سے متعلق کچھ بحث کی ہے، اس میں انہوں نے محمد بن الفضل بخاریؒ سے نقل کیا ہے کہ قبرستان میں جبر سے قرآن پڑھنا مکروہ ہے، البتہ اگر آہستہ پڑھے تو مکروہ نہیں۔ اور فقیہ حافظ ابو اسحاقؒ کے استاذ ابو بکر محمد بن ابراہیمؒ فرماتے تھے کہ سورۃ التَّائِيَاتِ چاہے بلند آواز سے پڑھے یا آہستہ آواز سے دونوں طرح جائز ہے۔ اور بعض مشائخؒ سے یہ

(۱) القول البدیع فی الصلاۃ علی الخیب الشفع ص ۵۶-۵۷۔

منقول ہے کہ ختم قرآن جماعت کی صورت میں جبراً مکروہ ہے۔ اور فتاویٰ قاضیان میں ہے کہ اگر مقصود میت کے انسیت ہو تو بلند آواز سے پڑھے، اور ایصالِ ثواب کے لیے ہو تو بلند آواز سے پڑھنا ضروری نہیں، اللہ تعالیٰ ہر طرح سنتے ہیں۔ ان کی پوری عبارت نقل کی جاتی ہے:

وفي الفتاوى: قراءة القرآن في القبور عند أبي حنيفة تكبر، وعند محمد لا تكبره، قال الصدر الشهيد: وبه أخذ مشايخنا.

وحكى عن محمد بن الفضل البخارى أن القراءة في المقابر إنما تكبره إذا جهر، وأما إذا أخفى فلا تكبره.

وكان الفقيه أبو إسحاق الحافظ يحكي عن أستاذه الشيخ أبي بكر محمد بن إبراهيم أنه قال: لا بأس بقراءة سورة التَّوْحِيدِ، أخفى أوجهر، ولم يفرق بين الجهر والخصف.

ومن المشايخ من قال: ختم القرآن بالجماعة جهراً مكروه. انتهى ملخصاً.

وفي فتاوى قاضیخان: إن قرأ القرآن عند القبور، إن نوى بذلك أن يؤنسهم بصوت القرآن، فإنه يقرأ، فإن لم يقصد ذلك، فاشه تعالى يسمع قراءته حيث كان. انتهى^(۱).

...

(۱) سباحة الفكر في الجهر بالذكر، مجموعة رسائل اللكنوی ۳/ ۴۷.

حدیث ابن عمرؓ میں ایک تعارض کا حل:

حضرت ابن عمرؓ کی مرفوع حدیث امام غزالیؒ تو اس طرح نقل کرتے ہیں کہ قبر کے سرہانے سورۃ بقرہ کا اول پڑھا جائے، لیکن اس حدیث کو امام طبرانیؒ اور امام بیہقیؒ نے جو نقل کیا ہے، اس میں یہ ہے کہ قبر کے سرہانے سورۃ فاتحہ پڑھا جائے۔ اس کے بارے میں بظاہر یہ کہا جاسکتا ہے کہ صحیح روایت وہ ہے جس میں سورۃ بقرہ کا اول ہے، جس میں سورۃ فاتحہ کا ذکر ہے وہ درست نہیں ہے، یا تو یہ نسخے کی غلطی ہے اور یا کسی راوی کی زیادتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ امام بیہقیؒ کی «شعب الإیمان» کی روایت جو صاحب مشکوٰۃ نے نقل کی ہے، اس میں سورۃ بقرہ کے اول کا ذکر ہے۔

اس بات کی دلیل یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حضرت لیثانؒ کی روایت میں بھی سورۃ بقرہ کے اول کا ذکر ہے، اور خود ان عمرؓ بھی امام غزالیؒ کی روایت کے مطابق بھی اسی طرح ہے۔

☆☆☆

خلاصہ بحث:

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس مقالے کے مباحث کا خلاصہ پیش کیا جائے، کیونکہ اصل مقالے میں ایک خاص ترتیب کے ساتھ ہر ایک حوالے درج کیا گیا ہے، جس میں دقت اور تحقیق کا خیال رکھا گیا ہے، ہو سکتا ہے کہ ہر قاری تمام مضمون کو ذہن میں رکھنے میں کامیاب نہ ہو، اس لیے خلاصہ میں ایک ہی جگہ میں تمام مہارت کا حاصل نقل کر دیا جاتا ہے، تفصیل معلوم کرنے کے لیے اصل مقالے کی طرف رجوع بھی کیا جاسکے گا۔

۱- حدیثی روایات:

پہلی حدیث:

وفن کے بعد قبر کے پاس سورت بقرہ کا اول و آخر پڑھنا دو احادیث سے ثابت ہے، ایک حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی مرفوعہ و موقوف روایت ہے:

مرفوعہ روایت امام طبرانی نے معجم کبیر میں نقل کی ہے جو یہ ہے:

«عبدالرحمن بن العلاء بن اللجلج، عن أبيه قال: قال لي أبي: يا بني! إذا أنا مت فآخذني فإذا وضعتني في لحدي فقل: بسم الله وعلى مله رسول الله، ثم سن علي التراب سناً، ثم اقرأ عند رأسي بفاتحة البقرة وخاتمتها، فإني سمعت رسول الله ﷺ يقول ذلك.»^(۱)

(۱) المعجم الكبير للطبراني ۴/۶۰۸.

عبدالرحمن بن علاء بن اللجلج اپنے والد علاء سے نقل کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد حضرت بلالؓ نے فرمایا کہ اے میرے بیٹے! جب میں مرجائوں، تو مجھے لحد میں رکھ دینا، اور یہ دعا پڑھنا: «بسم الله وعلى سنة رسول الله» اور میرے سرہانے سورت بقرہ کا اول و آخر پڑھنا، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، وہ بھی فرماتے تھے۔»

موقوف روایت کو امام بخاری بن معین، امام خلّال، امام الاکافی، امام بیہقی اور امام ابن عساکر نے نقل کیا ہے، جو یہ ہے:

«عبدالرحمن بن العلاء بن اللجلج، عن أبيه قال: قال لي أبي: يا بني! إذا أنا مت فضعني في اللحد وقل: بسم الله وعلى سنة رسول الله، وسن علي التراب سناً، وأقرأ عند رأسي بفاتحة البقرة وخاتمتها، فإني سمعت عبدالله بن عمر يقول ذلك.»^(۱)

ترجمہ: «عبدالرحمن بن علاء بن اللجلج اپنے والد علاء سے نقل کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد حضرت بلالؓ نے فرمایا کہ اے میرے بیٹے! جب

(۱) تاریخ یحییٰ بن معین بروایۃ الدوري ۲/۳۴۶، حدیث: ۵۲۳۸، کتاب القراءۃ عند القبور للخلّال ص ۸۷، شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة ۴/۱۲۲۷، السنن الکبریٰ للبیہقی ۵/۴۰۴، تاریخ دمشق لابن عساکر ۵۳/۲۲۷.

میں مرقاں، تو مجھے لحد میں رکھ دینا، اور یہ دعا پڑھنا ﴿بسم اللہ وعلیٰ سنتہ رسول اللہ﴾ اور میرے سرہانے سورت بقرہ کا اول و آخر پڑھنا، کیونکہ میں نے عبد اللہ بن عمر سے سنا ہے وہ یہی فرماتے تھے۔“

مر فوع اور موقوف روایت میں تطبیق:

مر فوع اور موقوف کے بارے میں ایک تطبیق علامہ عبد اللہ غماریؒ نے یہ بیان کی ہے کہ مرفوع روایت حضرت لیلانؓ کی ہے جو صحابی ہیں اور موقوف روایت حضرت علاءؓ کی ہے جو تابعی ہیں اور حضرت ابن عمرؓ کے شاگرد ہیں۔ دوسری تطبیق یہ ہے کہ حضرت لیلانؓ ہی کبھی مرفوع نقل کرتے ہیں اور کبھی موقوف نقل کرتے ہیں۔

حدیث کا اسنادی حکم:

علامہ نوویؒ نے «کتاب الاذکار» میں، حافظ ابن حجرؒ نے «امالی الاذکار» میں علامہ ابن علانؒ نے «الفتوحات الربانیۃ» میں، علامہ شوکانیؒ نے «تحفة الذاکرین» میں، غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خانؒ نے «نزل الابرار» میں، علامہ عبد اللہ غماریؒ نے «الرد المحکم الممتین» اور «الحاوی فی الفتاوی» میں علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے «اعلاء السنن» میں اس حدیث کو حسن کا درجہ دیا ہے۔

اور علامہ نیویؒ نے «آثار السنن» میں، اور علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے «اعلاء السنن» میں، اور علامہ سرفراز خان صفدرؒ نے «سماع موتی» میں، اور علامہ دینی سلیمان غامدی حفظہ اللہ نے «ارکان اسلام» میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

علامہ نقشبئیؒ نے «مجمع الزوائد» میں، علامہ سائق شامیؒ نے «مسبل الہدی» میں، اور غیر مقلد علامہ عبد اللہ مبارکپوریؒ نے «المروعة شرح المشکاۃ» میں اس حدیث کے تمام راویوں کو ثقہ قرار دیا ہے۔

جبکہ اسی سند سے ایک دوسری روایت کو علامہ مندرجیؒ نے «الترغیب والترہیب» میں «لاباس بہ» (اس میں کوئی جرح نہیں) سے تعبیر کیا ہے۔

اور اسی سند سے ایک روایت کو غیر مقلد علامہ عبد الرحمن مبارکپوریؒ نے «تحفة الاحوذی» میں حسن قرار دیا ہے۔

اس کے علاوہ علامہ کی ایک بڑی تعداد نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے، یاد کرنا ہے اور کسی قسم کی جرح نہیں کی ہے، اس کے لیے پچھلے صفحات ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔

اصل مقالے میں اس حدیث کے راویوں کے حالات تفصیل سے نقل کر دیے ہیں، اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں، ایک راوی عبد الرحمن بن علانؓ کی وجہ سے بعض حضرات نے چونکہ اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، اس لیے اس راوی کے بارے میں مکمل تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ عبد الرحمن بن العلانؓ کے بارے میں حنفیین ائمہ فہنؒ نے کوئی جرح نہیں کی ہے بلکہ اس سے سکوت اختیار کیا ہے، اور اس قاعدے کی تخریج کی گئی ہے کہ حنفی فہنؒ کسی راوی کے بارے میں سکوت اختیار کریں اور اس راوی سے منکر روایت منقول نہ ہو تو ان کا سکوت توثیق شمار ہوگی۔ اس کے علاوہ عبد الرحمن بن العلانؓ کے بارے میں علامہ ابن حبانؒ نے ثبوت کی تصریح بھی کی ہے، اور توثیق میں علامہ ابن حبانؒ منکر ہو تو اس کا کیا حکم ہے اصل مقالے میں اس پر بھی گفتگو کی ہے، اور ائمہ فہنؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ یہاں ان کی توثیق کا اعتبار ہے۔ اس کے علاوہ عبد الرحمن

بنی العلاء کو حافظ ابن حجرؒ نے مقبول کہا ہے، اور مقبول کے بارے میں ان کے قاعدے کی تشریح کی ہے کہ جس روایت سے روایات کم منقول ہوں اور اس پر کوئی جرح ثابت نہ ہو تو اگر ان کی روایات کے متابع ہوں تو وہ روایت مقبول ہے اور یہ توثیق کا جملہ ہے اور اگر متابع نہ ہوں تو لین ہوگا، اور یہ جرح کا کلمہ ہے۔ حافظ ابن حجرؒ کا اس کے لیے مقبول کا لفظ استعمال کرنا اور خود عملی طور پر اس کی روایت کو حسن قرار دینا دلالت کرتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ ثقہ اور سند مقبول ہے۔

اس کے علاوہ عبد الرحمن بن العلاء کو علامہ ابن شاہین نے بھی ثقہ میں ذکر کیا ہے، جس کے بعد تو ان کی ثقاہت میں کوئی شک باقی نہیں رہتا۔

دوسری حدیث:

اور دوسری حدیث حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث ہے ان کی یہ حدیث (۱) امام بخاریؒ [۳۱۱ھ] (۲) امام ترمذیؒ [۲۶۰ھ/۳۶۰ھ] اور (۳) امام نسائیؒ [۳۸۳ھ/۳۵۸ھ] نے روایت کی ہے۔ ملاحظہ ہو:

«يحيى بن عبد الله الضحاك البائلي، حدثنا أيوب بن نبيك الحلبي الزهري مولى آل سعد بن أبي وقاص قال: سمعت عطاء بن أبي رباح المكي، قال: سمعت ابن عمر، قال: سمعت النبي ﷺ يقول: إذا مات

أحدكم فلاتحسوه، وأسرعوا به إلى قبره، وليقرأ عند رأسه بفاتحة البقرة، وعند رجله بخاتمتها في قبره»^(۱)

[ترجمہ] "عطاء بن ابی رباحؒ کی فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عمرؓ سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ جب تم میں سے کسی کا انتقال ہو جائے، تو اسے زیادہ دیر روکے نہ رکھو اس کو قبر کی طرف جلدی لے جاؤ، اور قبر پر اس کے سر کی جانب سورت بقرہ کا شروع، اور پاؤں کے پاس سورۃ بقرہ کا آخری حصہ پڑھو۔"

یہ روایت موقوف ہے یا مرفوع؟

یہ روایت مرفوع ہے، موقوف نہیں ہے، یعنی اس میں نبی کریم ﷺ کے قول کا ذکر ہے، صاحب مشکوٰۃ نے "مشکوٰۃ شریف" میں یہ حدیث نقل کی ہے، اور لکھا ہے کہ امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ صحیح ہے کہ یہ موقوف ہے، لیکن صاحب مشکوٰۃ سے یہاں امام نسائیؒ کی بات سمجھنے میں تباہی ہوئی ہے، امام نسائیؒ اس روایت کو مرفوع نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ روایت ہمیں موقوف بھی پہنچی ہے۔

حدیث کا اسنادی حکم:

حافظ ابن حجرؒ نے "فتح الباری" میں یہ حدیث نقل کر کے اس کی سند کو حسن ورسبے کا قرار دیا ہے، البتہ علامہ نسائیؒ نے "معجم الزوائد" میں اس کی سند کو ضعیف

(۱) کتاب القراءة عند القبور ص ۸۸، والأمر بالمعروف والنهي عن المنكر ۲۹۲/۱، كلاهما للخلال، المعجم الكبير للطبراني ۲۵۵/۶، شعب الإيماء للبيهقي ۴۷۱، ۴۷۲/۹۱.

قرار دیا ہے۔ اس حدیث کے سند کے راویوں میں دو راویوں پر جرح مقبول ہے، ایک یحییٰ بن عبد اللہ بائقی ہے، جس کو متعدد محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے، اور دوسرے راوی ابوب بن نیک ہے، جس کو بھی ضعیف قرار دیا گیا ہے۔ بظاہر حافظ ابن حجرؒ اور علامہ بیہقیؒ کی باتوں میں یوں تطبیق ہو سکتی ہے کہ مذکورہ راویوں کے بارے میں جرح زیادہ سخت نہیں ہے اس لیے ان کے نزدیک یہ صحیح کے درجے سے حسن کے درجے تک آگئی۔ یاد دوسری تطبیق یہ ہو سکتی ہے کہ حافظ ابن حجرؒ نے حدیث کلابیؒ کی وجہ سے اس کو حسن کا درجہ دیا اور اس کو اس کے لیے شاہد بنایا۔

۲۔ قبرستان میں مطلق تلاوت قرآن کے جواز کی احادیث:

اس کے تحت ان احادیث کا بھی جائزہ پیش کیا گیا، جن میں مردے کے پاس یا قبرستان میں سورۃ (یس)، سورۃ (قل ھو اللہ احد)، سورۃ (الھنکم انکاکر)، سورۃ (بقرہ)، سورۃ (الفکر) کی فضیلت وارد ہوئی ہے۔

مکلی حدیث:

مکلی حدیث یہ ہے کہ حضرت عقیل بن یسار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «اقرأوا یت علی موتاکم» کہ مردے کے پاس سورۃ یس پڑھا کرو۔ یہ حدیث «مسند احمد» «سنن ابی داود» «سنن ابن ماجہ» وغیرہ میں ہے، اور اس کی سند کو علامہ ابن حبانؒ اور علامہ سیوطیؒ نے صحیح قرار دیا ہے، اور علامہ منذریؒ نے اس کو حسن قرار دیا ہے، جبکہ امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ نے اس پر سکوت فرمایا ہے۔ علامہ البانیؒ نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے، لیکن علامہ محمود سعید ممدوح نے

اس پر رد کیا ہے اور تفصیل کے ساتھ اس کے طرق اور شواہد نقل کر کے اس کو حسن قرار دیا ہے۔

اس حدیث کی تشریح میں علامہ ابن حبانؒ نے «صحیح ابن حبان» میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں مردے سے مراد قریب المرگ شخص ہے، لیکن علامہ محب الدین طبرانیؒ نے «غایۃ الاحکام» میں ان پر رد کیا ہے کہ یہ حدیث قریب المرگ شخص اور مردے دونوں کے بارے میں مفید ہے۔ اور حافظ ابن حجرؒ نے بھی «التلخیص الحبیہ» میں علامہ طبرانیؒ کا یہ رد نقل کیا ہے۔ اور علامہ صنعانیؒ نے «مسبل السلام» میں لکھا ہے کہ حقیقت یہاں مراد مرد ہے البتہ مجازاً اس کا اطلاق قریب المرگ پر بھی درست ہے۔

دوسری حدیث:

دوسری حدیث یہ ہے کہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «من دخل المقابر فقرأ سورۃ یس خفف عنهم یومئذ، وكان له بعدد من فیہا حسنات.» [ترجمہ] «جو قبرستان میں داخل ہو جائے، اور سورت یس کی تلاوت کرے، تو مردوں کا عذاب اس سے کم ہو جائے، اور مردوں کی تعداد کے بقدر اس کو نیکیاں ملتی ہیں۔»

یہ حدیث علامہ شعبانیؒ نے اپنی «تفسیر» میں اور امام خلیلؒ کے شاگرد علامہ عبد العزیزؒ نے «الشافی» میں، اور امام قرطبیؒ نے «التذکرۃ فی افضل الاذکار» میں نقل کی ہے۔ علامہ سخاویؒ کو چونکہ اس کی سند نہیں ملی تھی اس لیے انہوں نے پورے جزم کے ساتھ اس حدیث کو «الاجوبۃ المدروسۃ» میں موضوع نہیں کہا، البتہ اپنے

اس خیال کا اظہار فرمایا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ لیکن اس کی جو سند تفسیر
ثعالبی میں ہے وہ موضوع ہے۔

تیسری حدیث:

تیسری حدیث یہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ
نے فرمایا: «من زار قبر والدیه کل جمعة فقرا عندہما أو عنده یت غفر له
بعدد کل آية أو حرف». [ترجمہ] "جو ہر جمعہ کے دن اپنے والدین یا ان میں سے
ایک کے قبر کے پاس سورۃ یت پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ ہر حرف کے بدلے اس کی مغفرت
فرماتے ہیں۔"

اس حدیث کو علامہ ابو الشیخ نے «طبقات المحدثین» میں، اور علامہ ابن
عدی نے «الکامل» میں نقل کیا ہے۔ علامہ ابن الجوزی نے «الموضوعات» میں
اس کو موضوع قرار دیا ہے، لیکن علامہ سیوطی نے «الذکات الذبیعات» میں ان پر رد
کیا ہے کہ یہ موضوع نہیں کیونکہ اس کا شاہد ہے، لیکن علامہ احمد غفرانی نے «المدادی»
میں علامہ سیوطی پر رد کیا ہے کہ جو شاہد ہے اس میں ضعف شدید ہے کہ اسے اور شاہد
اور متابعات کے لیے یہ ضروری ہے کہ ضعف شدید ہے کہ وہ کاذب ہو۔

چوتھی حدیث:

چوتھی حدیث یہ ہے کہ حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا
«من مر بالمقابر فقرا ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ إحدى عشرة مرة، ثم وهب
أجره للاثمات أعطي من الأجر بعدد الأموات». [ترجمہ] "جو قبرستان سے

گذرے، اور گیارہ مرتبہ سورۃ ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ کی تلاوت کرے، پھر اس کا
ثواب مردوں کو بخش دے، اس کو مردوں کی تعداد کے بقدر نیکیاں ملتی ہیں۔"

اس حدیث کو علامہ حسن خلیل نے «فضائل سورۃ الإخلاص» میں اور علامہ
دبلی نے «مسند الفردوس» میں، اور علامہ قرطبی نے «التذکرۃ» میں اور علامہ
رافعی نے «تاریخ قزوین» میں نقل کیا ہے۔ اس حدیث کی جو سند ہے وہ موضوع ہے کہ
ہے، کیونکہ اس میں دو کذاب راوی ہیں، جیسا کہ علامہ سقاوی نے «الأجوبة
العرضية» میں فرمایا ہے۔

پانچویں حدیث:

پانچویں حدیث یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے
فرمایا: «من دخل المقابر ثم قرأ ﴿فَاتِحَةُ الْكِتَابِ﴾ و ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾
و ﴿الْهَمْلُ الْكَافُ﴾ ثم قال: إني جعلت ثواب ما قرأت من كلامك
لأهل المقابر من المؤمنين والمؤمنات، كانوا شفعاء إلى الله تعالى». [ترجمہ:]
"حضور ﷺ نے فرمایا: جو قبرستان جائے اور وہاں سورۃ فاتحہ، سورۃ
اعلاص اور سورۃ تھم پڑھے، اور اس کے بعد یہ کہے کہ میں اس کلام اللہ کے ثواب کو
قبرستان کے تمام ایمان والوں مردوں اور عورتوں کو پہنچاتا ہوں، تو یہ مردے قیامت کے
دن اس کے لیے سفارش کریں گے۔"

یہ حدیث علامہ زنجانی نے «الفوائد» میں روایت کی ہے، اور ان سے علامہ
سیوطی «شرح الصدور» میں نقل کی ہے۔ چونکہ اس حدیث کی سند معلوم نہیں
ہو سکی، اس لیے اس پر کسی قسم کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔

پہلی حدیث:

پہلی حدیث یہ ہے کہ امام شیعہؑ فرماتے ہیں: «كانت الأنصار إذا مات لهم الميت اختلفوا إلى قبره يقرءون عنده القرآن». [ترجمہ] "حضرت شیعہؑ فرماتے ہیں کہ انصار صحابہ کرام کے ہاں جب کوئی فوت ہو جاتا، تو وہ اس کے قبر کے پاس آتے تھے اور قرآن کی تلاوت کرتے تھے۔"

یہ روایت امام غزالیؒ «الفرقاء عند القبور» میں نقل کی ہے، اور «مصفیٰ ابن ابی شیبہ» میں اس کی وضاحت ہے کہ "انصار میت کے قبر کے پاس سورۃ بقرہ کی تلاوت کرتے تھے۔"

اس روایت میں خالد بن سعید راوی ہے جس کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے، البتہ قبر کے پاس سورۃ بقرہ کے جو از کے بارے میں حضرت کلداج اور حضرت ابن عمرؓ کی روایات کی وجہ سے اس حدیث کو بھی توثیق مل جاتی ہے۔ نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ قبر کے پاس قرآن پڑھنے کا عمل صحابہ کرام میں رائج تھا۔

ساتویں اور آٹھویں حدیث:

"فتاویٰ اہل الاحکام" میں علامہ غفرلہ احمد عثمانیؒ نے دو روایتوں کو نقل کر کے لکھا کہ یہ دونوں ثابت نہیں ہیں، پہلی حدیث یہ ہے کہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو سات پتھر لیکر ہر ایک پر سورۃ اخلاص تین مرتبہ پڑھے اور میت کے سر پر رکھے، تو اللہ تعالیٰ اس کو عذاب قبر سے نجات دے گا۔"

حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

«أخرج الحاكم عن أنس بن مالك أنه قال قال رسول الله ﷺ: من أخذ سبعة حصاة أو مدر يقرأ على كل واحد قل هو الله أحس ثلثاً ثم يضعها جانب رأس الميت ينجاه الله تعالى من عذاب القبر الخ».

اس حدیث کو امام حاکم کی طرف منسوب کی گئی ہے، ان کی کتاب «مستدرک حاکم» میں یہ حدیث نہیں ہے۔

اور دوسری حدیث «کتاب النورین» کے حوالے سے جویہ ہے کہ "جو قبر کی مٹی لے اور اس پر سورۃ القدر سات دفعہ پڑھے اور قبر میں ڈال دے تو قبر والے کو عذاب نہیں ہوگا۔" لیکن یہ حدیث بھی نہیں مل سکی۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

«من أخذ من تراب القبر بيده وقرأ عليه سورة القدر سبعا وتركه في القبر لم يعذب صاحب القبر».

نویں حدیث:

نویں حدیث حضرت ابو امامہؓ سے منقول ہے کہ حضور ﷺ سے ایک حدیث میں یہ ثابت ہے کہ آپ نے اپنی بیٹی حضرت ام کلثومؓ کے قبر میں رکھنے کے بعد قرآن کی یہ آیتیں تلاوت فرمائیں: ﴿وَبَنَّا خَلْقَتَكُمْ وَفِيهَا نُفِذُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَى﴾.

یہ روایت «مستدرک حاکم» اور «سنن کبیری بیہقی» میں روایت کی گئی ہے، حافظ ابن حجرؒ «التلخیص الحبیر» میں فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے۔

۳۔ قبرستان میں قرآن پڑھنے کی ممانعت کی حدیث:

بندہ کو کوئی ایسی حدیث نہیں ملی جس میں قبرستان میں تلاوت کا عدم جواز معلوم ہو تاہو، البتہ بعض حضرات ایک حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ قبرستان میں قرآن کی تلاوت جائز نہیں، وہ حدیث یہ ہے: «لا تحملوا بیوتکم مقابر فإِنَّ الشَّيْطَانَ يَغْرِ مِنْ الْبَيْتِ الَّذِي يَقْرَأُ فِيهِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ» (تم اپنے گھروں سے قبرستان نہ بناؤ، کیونکہ شیطان اس گھر سے بھٹکتا ہے، جس میں سورہ بقرہ کی تلاوت ہوتی ہے)۔ اس کے مفہوم مخالف سے اس طرح استدلال کیا جاتا ہے کہ گھروں میں قرآن کی تلاوت کروان سے قبرستان نہ بناؤ جہاں قرآن کی تلاوت نہیں ہوتی، حالانکہ یہ حدیث اس حوالے سے صریح نہیں ہے، اور جواز کی صریح احادیث کی موجودگی میں صرف احتمالی بات کا اعتبار نہیں ہے۔

۳- مذہب اربعہ:

اس مقالے کا ایک خاص موضوع مذہب فقہیہ کی تحقیق بھی ہے، اس میں مذہب اربعہ: حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ، حنبلیہ کے صحیح مسک کو مدلل انداز میں نقل کیا گیا ہے، مذہب اربعہ سب کا مطلق یہ مسک جواز کا ہے۔

۱- مذہب حنفی:

مذہب حنفی کے صف اول کے اکابرین جیسے امام ابو حنیفہؒ اور صاحبین سے اس سلسلہ میں مکمل وضاحت نہیں مل سکی، سب سے پہلے علامہ ابن رشد حنفیؒ نے «علاصۃ الفتاویٰ» میں یہ نقل کیا ہے کہ «اگر کوئی شخص اپنے بھائی کی قبر کے پاس کسی کو قرآن پڑھنے کے لیے بٹھائے تو یہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مکروہ ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک

مکروہ نہیں ہے، اور مشائخ حنفیہ نے امام محمدؒ کا قول اختیار کیا ہے۔ لیکن اس میں اس بات کا احتمال ہے کہ یہ اعتکاف اس خاص صورت سے متعلق ہو۔

اس کے بعد علامہ ابن تیمیہؒ نے بھی «فتاویٰ ابن تیمیہ» اور «اقتضاء الصراط المستقیم» میں امام ابو حنیفہؒ کا مذہب کراہت کا نقل کیا ہے، اور اس کے بعد کئی علماء نے اسے نقل کیا ہے۔

لیکن ان سب سے مختلف علامہ قرطبیؒ نے «الفروق» میں امام ابو حنیفہؒ کا مسک جواز کا نقل کیا ہے۔

البتہ متاخرین ائمہ حنفیہ سے پوری صراحت کے ساتھ قبر کے پاس قرآن کی تلاوت کا جواز ثابت ہے، اور اسی کو مطلق یہ قرار دیا گیا ہے۔ جن میں علامہ قاضی خاں، علامہ ابن ہمام، علامہ ابن تیمیہ، علامہ ماطی قاری، علامہ شرنبلالی، اور علامہ شامیؒ قابل ذکر ہیں۔

۲- مذہب مالکی:

کوئی مستند روایت ایسی نہیں ملی جس میں امام مالکؒ کے قبر کے پاس قرآن پڑھنے کا جواز یا عدم جواز منقول ہو، البتہ علامہ ابن تیمیہؒ نے «فتاویٰ ابن تیمیہ» اور «اقتضاء الصراط المستقیم» میں لکھا ہے کہ «امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کو قبر کے پاس قرآن پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا»

اول تو امام مالکؒ کے حوالے سے یہ یقینی بات نہیں، اور اگر علامہ ابن تیمیہؒ کا یہ حوالہ درست بھی ہو، تب بھی یہ ایک مضبوط دلیل نہیں، کیونکہ جب قبرستان میں تلاوت کرنے کی حدیث ثابت ہے، تو یہ کہا جائے گا کہ امام مالکؒ تک یہ پہنچی نہیں ہوگی، جس کی بنا پر وہ اس کی نفی فرما رہے ہیں۔

۳- مذہب حنبلی:

امام احمد بن حنبل شروع شروع میں قبر کے پاس قرآن پڑھنے کے عدم جواز کے قائل تھے، چنانچہ ان کے شاگرد امام ابو داؤد نے ان سے "مسائل الإمام أحمد" میں عدم جواز نقل کیا ہے، لیکن بعد میں جب علامہ محمد بن قدامہ جو ہرئی نے ان کے سامنے حضرت یحییٰ بن عیسیٰ کی حدیث پیش کی تو انہوں نے رجوع کر لیا اور قبر کے پاس قرآن پڑھنے کو جائز قرار دیا۔ علامہ خلیل نے "الفراہ عند القبر" میں اس قصہ کو دو سندوں سے نقل کیا ہے، اور دونوں کے سند صحیح ہیں۔ علامہ البانی امام احمد کے رجوع کے قائل نہیں ہیں، لیکن ان کے سامنے امام خلیل کی صرف ایک سند ہے، اور اس سند کے راویوں کے حالات چونکہ ان کو نہیں ملے لہذا انہوں نے اس روایت کو رد کر دیا، بندہ نے اس سند کے راویوں کے حالات بھی ذکر کئے ہیں، اور دوسری سند کے راویوں کے حالات بھی ذکر کر دیئے ہیں، یہ دونوں سندیں اس قائل ہیں کہ ان سے یہ چار بخاری خبر قبول کی جاسکے۔

اس کے علاوہ امام احمد بن حنبل کے رجوع کے بارے میں تین اور روایتیں بھی نقل کر دیئے گئے ہیں۔ نیز حنبلی مذہب کے جید علماء بھی امام احمد کے رجوع کے قائل ہیں، جن میں سے علامہ ابن قدامہ قائل ذکر ہیں۔

اس مسئلے سے متعلق علامہ ابن تیمیہ حنبلی کے مذہب کی بھی تحقیق نقل کر دی گئی ہے، انہوں نے اس مسئلے کو کوئی کتاب "اقتضاء الصراط المستقیم" میں تفصیل سے ذکر کیا ہے، لیکن انہوں نے اپنا مسلک بالکل واضح طور پر نقل نہیں کیا، بظاہر ان کا مقلد مسلک اگر بیان کیا جائے تو وہ یہ ہے کہ قبر کے پاس دفن کے بعد تو قرآن پڑھنا چونکہ

علامہ وحبہ الرحمی حکم اللہ «الفقه الاسلامی وادلته» میں تحریر فرماتے ہیں کہ: "قدم مالک کاذب تو عدم جواز کا ہے، البتہ متاخرین مالکیہ کاذب جواز کا ہے" یہی بات «الموسوعة الفقهية الكويتية» میں بھی ہے، تاہم اس میں یہ بھی ہے کہ علامہ دسوقی مالکی نے مطلقاً کہتے ہیں کہ قائل اختیار کیا ہے۔

۳- مذہب شافعی:

امام شافعی قبر کے پاس قرآن پڑھنے کو جائز سمجھتے تھے، ان کے شاگرد رشید علامہ حسن بن صباح زعفرانی نے ان سے اس کے بارے میں پوچھا، تو امام شافعی نے فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ روایت امام خلیل نے سند کے ساتھ ذکر کی ہے، اور یہ سند صحیح ہے۔ لہذا علامہ ابن تیمیہ کا یہ فرمانا کہ "امام شافعی سے اس سلسلہ میں کچھ ثابت نہیں" اور علامہ البانی کا امام شافعی سے مذکورہ بالا روایت نقل کر کے اس کی صحت میں شک کرنا درست نہیں، اس سلسلہ کی جو تحقیق مقالے میں کی گئی ہے وہ ملاحظہ کرنے کے قابل ہے۔

مذہب شافعیہ کے مقتدر علماء نے بھی قبر کے پاس قرآن پڑھنے کو جائز قرار دیا ہے، جن میں علامہ تفتی، علامہ نووی، علامہ ابن حجر، علامہ سیوطی قائل ذکر ہیں۔

امام نووی «ریاض الصالحین» میں امام شافعی سے یہ بھی نقل کرتے ہیں کہ دفن کے بعد قبر پاس اگر پورا قرآن ختم کیا جائے تو یہ زیادہ بہتر ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے مذہب شافعی میں اس پر عمل بھی چلا آرہا تھا، چنانچہ علامہ ذہبی شافعی «مسير اعلام النبلاء» میں مشہور شافعی عالم علامہ خلیف بغدادی کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ: (وقات کے بعد) ان کی قبر پر کئی قرآن ختم کیے گئے، اور اس پر کسی قسم کا رد نہیں کیا۔

ثابت ہے، لہذا یہ پڑھنا تو جائز ہے، اور بعد میں باری باری آکر قرآن پڑھنے کی عادت ڈالنا ناجائز ہے۔

فہرُسُ المَراجِعِ والمَصَادِر

۱. آثار السنن، علامہ محمد بن علی تیموی، مکتبہ حسینیہ مردان.
۲. الآیات البینات فی فضائل الآیات، مولانا فیصل ندوی، دار الفیحاء بیروت.
۳. إقتان الصنعة فی تحقیق معنی البدعة، علامہ عبداللہ الغفاری، طبع عالم الکتب.
۴. أثر الحدیث الشریف فی اختلاف الأئمة الفقہاء، علامہ محمد عوامہ، طبع دار البشائر بیروت.
۵. الأجویة المرغیة للأسئلة الخدیثیة، للمسخاوی، مکتبہ الرشد ریاض.
۶. أحسن الفتاوی، مفتی رشید احمد، ایچ ایم سعید کراچی.
۷. أحكام الجنائز تألیف: علامہ ناصر الدین آل بانی، المکتب الاسلامی بیروت.
۸. أدلة الخفیة، عیبالہ البهلوی، دار ابن کثیر دمشق.
۹. الأذکار، علامہ نووی، طبع دار الکتب العربی بیروت.
۱۰. أركان الإسلام، علامہ وہبی سلیمان غاوی، دار البشائر بیروت.
۱۱. أشعة السمعات شرح مشکاة (فارسی)، شیخ عبدالحق عدت دہلوی، مجیدیہ ملتان.
۱۲. الإصابة فی تیزر الصحابة، ابن حجر العسقلانی، دار الفکر بیروت.
۱۳. إعلاء السنن، علامہ ظفر أحمد عثمانی، إدارة القرآن کراچی.
۱۴. اقتضاء الصراط المستقیم، علامہ ابن تیمیہ حنبلی.
۱۵. الإمتناع بالأربعین لثبایة السماع، لابن حجر العسقلانی، طبع: دار الکتب العلمیہ بیروت.
۱۶. إمداد الاحکام، تألیف: مولانا ظفر أحمد عثمانی، طبع: دار المعارف کراچی.
۱۷. إمداد الفتاوی، تألیف: مولانا اشرف علی تھانوی، دار المعارف کراچی.

مفتی علماء میں امام غزالی کا مقام بہت بلند ہے، ان کا مذہب حنبلی کا جامع اور مدون کہا جاتا ہے۔ ان کو امام احمد کا زمانہ بھی ملا ہے، تاہم وہ ان کے ایک واسطے سے شاکر و ہیں، اس لحاظ سے امام غزالی جو امام احمد کا مسلک نقل کریں گے اس میں زیادہ وزن ہو گا۔ امام غزالی نے قبر کے پاس قرآن پڑھنے کے جواز کے بارے میں مستقل کتاب لکھی ہے "القرائة عند القبور" اور امام احمد سے کئی روایات سند کے ساتھ نقل کئے ہیں، جس میں وہ جواز کے قائل ہیں اور ان میں ان کے رجوع کا ذکر ہے۔

۵- علماء دیوبند کے آراء و فتاوی:

اکابر علماء دیوبند کے فتاویٰ اور تصانیف کی طرف بھی رجوع کیا گیا، اکابر علماء دیوبند اگرچہ حنبلی مذہب سے تعلق رکھتے ہیں، اور حنبلی کا مفتی ہے مسلک پہلے بیان ہو چکا، تاہم خصوصیت کے ساتھ ان کی عبارت بھی نقل کر دی گئیں۔ چنانچہ مفتی رشید احمد گنگوہی نے "فتاویٰ رشیدیہ" میں، مولانا شرف علی قناتوی نے "امداد الفتاویٰ" میں، اور مفتی کفایت اللہ نے "کفایت المفتی" میں، مفتی عزیز الرحمن صاحب نے "فتاویٰ دارالعلوم دیوبند" میں، مفتی محمود حسن گنگوہی نے "فتاویٰ محمودیہ" میں، مفتی رشید احمد مدنی نے "احسن الفتاویٰ" میں، مولانا سر فرار خان صفحہ نے "راہ سنت" اور "سہل سوتی" میں اور مفتی محمد تقی حنبلی صاحب مدظلہ نے "درس ترمذی" میں قبر کے سرہانے اور پاؤں کی جانب سورۃ بقرہ کے اول و آخر پڑھنے کو جائز اور ثابت قرار دیا ہے۔

...

١٨. الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، إمام خلال، دار الكتب العلمية بيروت.
١٩. إيضاح المكنون ذيل كشف الظنون، أساعيل باشا، دار إحياء التراث.
٢٠. البحر الرائق شرح كتر الدقائق تأليف: علامه ابن نجيم، رشديه كوئته.
٢١. تاريخ الإسلام، تأليف: علامه ذهي، دار الغرب الاسلامي بيروت.
٢٢. تاريخ أساء النفقات من نقل عنهم العلم، ابن شاهين، تحقيق عبد المعطي القلعجي، دار الكتب العلمية بيروت.
٢٣. ثقات ابن شاهين، تحقيق صبيحي السامرائي، طبع الدار السلفية ١٤٠٤هـ.
٢٤. تاريخ دمشق، تأليف: إمام ابن عسكرك، دار الفكر بيروت.
٢٥. التاريخ الكبير، تأليف: إمام بخاري، دار الكتب العلمية بيروت.
٢٦. تاريخ يحيى بن معين برواية الدوري طبع: دار القلم بيروت.
٢٧. التبيان في آداب حملة القرآن تأليف: علامه نووي، طبع: الرحيم اكديمي كراتشي.
٢٨. تحفة الأحوذفي شرح سنن الترمذي، علامه مباركيوري، دار الفكر بيروت.
٢٩. تحفة الذاكرين بعدة الحصن الحصين تأليف: علامه شوكتاني.
٣٠. تحقيق الأمال فيا ينفع الميت من الأعمال، للعلوى المالكي.
٣١. التدوين في أخبار قزوين تأليف: علامه رافعي، دار الكتب العلمية بيروت.
٣٢. التذكار في أفضل الأذكار تأليف: إمام قرطبي، دار البيان دمشق.
٣٣. الترغيب والترهيب للمتدري، تحقيق إبراهيم شمس الدين، طبع باكستان، وتحقيق الألباني، مكتبة المعارف، الرياض.
٣٤. التعليق الصحيح شرح مشكاة المصابيح، مولانا محمد إدريس كاندهلوي.
٣٥. التعريف بأوهام من قسم السنن إلى صحيح وضعيف، تأليف: علامه محمود سعيد عمدوح، دار البحوث دبي.
٣٦. تفسير الإمام التعلبي،

٣٧. تفهيم المسائل، مولانا گوهر الرحمن صاحب، طبع: تفهيم القرآن مردان.
٣٨. تقريب التهذيب، تأليف: علامه ابن حجر عسقلاني، تحقيق محمد عرامه، دار اليسر بيروت، وطبع قديمي كراچی.
٣٩. التلخيص الحبير، تأليف: علامه ابن حجر عسقلاني،
٤٠. تهذيب التهذيب، علامه ابن حجر عسقلاني، دار الكتب العلمية بيروت.
٤١. تهذيب الكمال، تأليف: علامه مزي، مؤسسة الرسالة بيروت.
٤٢. الثقات، تأليف: علامه ابن حبان، حيدرآباد الدكن.
٤٣. ثلاث رسائل في استحباب الدعاء ورفع اليدين فيه بعد الصلوات المكتوبة، مكتب المطبوعات العربية بيروت.
٤٤. الجرح والتعديل، تأليف: ابن أبي حاتم الرازي، دار الكتب العلمية بيروت.
٤٥. جمع الوسائل شرح الشائل، ملا علي قاري، (مكتبة الشاملة).
٤٦. حاشية نورالإيضاح، تأليف: مولانا إعزاز علي، نوراني كتب خانه پشاور.
٤٧. الحاوي في فتاوى الحافظ الغاري، طبع: دار الأنصار قاهره.
٤٨. الحزب الثمين بشرح الحصن الحصين، ملاعلي قاري، لکھنو هندوستان.
٤٩. حياة الصحابة، تحقيق البارة بنگوي، كتب خانه فيض لاهور.
٥٠. حياة الصحابة، تحقيق بشار عواد، مؤسسة الرسالة بيروت.
٥١. حياة الصحابة، أردو ترجمه مولانا إحسان الحق، كتب خانه فيض لاهور.
٥٢. خلاصة الفتاوى، تأليف: علامه طاهر بن رشيد، طبع: مكتبة حبيبه كوئته.
٥٣. خلاصة تذهيب التهذيب، للخزرجي، مكتب المطبوعات بيروت.
٥٤. الدبرية في تلخيص نصب الرأية، ابن حجر عسقلاني، أثره شيخوپوره.
٥٥. الدرالمختار، علامه علاء الدين محمد بن علي حصكفي، طبع: إيج آيم سعيد كراچی.
٥٦. ذيل تاريخ بغداد، تأليف: علامه ابن نجار، دار الكتب العلمية بيروت.

٥٧. راو سنت، تأليف: مولانا سرفراز خان صفدر، طبع: مكتبة صفدرية
گوچرانوالہ.
٥٨. ردالمحتار شرح الدرالمختار، تأليف: علامه شامی، طبع: ایچ ایم سعید
کراچی.
٥٩. ردالمحتار شرح الدرالمختار، تأليف: علامه شامی، طبع دمشق، تحقيق
الغفرور.
٦٠. الرد المحکم الثمین فی کتاب القول المبین، علامه عبدالله غباری، قاهره.
٦١. الرفع والتکمیل فی الجرح والتعديل، علامه عبد الفتاح ابوغده، طبع
پشاور.
٦٢. الروح تأليف: علامه ابن القيم، طبع حیدرآباد دکن هند.
٦٣. ریاض الصالحین، تأليف: علامه نووي، طبع: قديمی کراچی.
٦٤. سیاسة الفكر بالجهر بالذکر، الکتبهوی، طبع ایران. وطبع بتحقیق
العلامة عبد الفتاح ابوغده.
٦٥. سبل الهدی والرشاد فی سيرة خير العباد، علامه صالحی شامی، إحياء
التراث الإسلامي، القاهرة.
٦٦. سبل السلام، للمصنعاني، مكتبة المعارف، ریاض.
٦٧. سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة، علامه ألباني، مكتبة المعارف
ریاض.
٦٨. سماع موتی، مولانا سرفراز خان صفدر، طبع: مكتبة صفدرية
گوچرانوالہ.
٦٩. سنن ابن ماجه، دار إحياء الكتب العربية بيروت.
٧٠. سنن أبي داؤد.
٧١. سنن الترمذي، مصطفى البابي الحلبي.
٧٢. السنن الكبرى تأليف إمام يهقي، طبع: دار الفكر بيروت.
٧٣. السنن للدارقطني، مؤسسة الرسالة بيروت.
٧٤. سير أعلام النبلاء، تأليف: علامه ذهبي، طبع: مؤسسة الرسالة بيروت.

٧٥. شرح أصول اعتقاد أهل السنة والجماعة من الكتاب والسنة وإجماع
الصحابية والتابعين ومن بعدهم تأليف: إمام لالكاني طبع: مكتبة
إسلامية مصر ١٤٢٤ هـ.
٧٦. شرح الصدور، تأليف: علامه جلال الدين سيوطي، طبع پشاور.
٧٧. شرح العقيدة الطحاوية، تأليف: علامه ابن أبي العزحني، بيروت.
٧٨. شرح الفقه الأكبر، ملاعلي قاري حنفي، طبع: قديمی کتب خانہ
کراچی.
٧٩. شرح لباب المناسك، علامه ملاعلي قاري، إدارة القرآن کراچی.
٨٠. شعب الإيمان، تأليف: إمام يهقي، طبع: مكتبة الرشد ریاض.
٨١. الشرائع المحمدية، للترمذي، مصطفى أحمد الباز، مكة مكرمه.
٨٢. صحيح ابن حبان، مؤسسة الرسالة بيروت.
٨٣. طبقات الحنابلة، تأليف: قاضي ابن أبي يعلى حنبلي، مكة المكرمة.
٨٤. طبقات الحديثين بأصبيان، تأليف: علامه أبو الشيخ أصبهاني.
٨٥. عمل اليوم والليلة، تأليف: إمام نسائي، مؤسسة الرسالة بيروت.
٨٦. غاية الأحكام في أحاديث الأحكام، عب الدين طبري، دارالكتب
العلمية، بيروت.
٨٧. فتاوى ابن تيمية، مكة مكرمه.
٨٨. فتاوى الدين الخالص، مولانا أمين الله، مكتبة محمدية گنج پشاور.
٨٩. فتاوى رشيدية، تأليف: مفتي رشيد أحمد گنگوہي، طبع: ایچ ایم سعید
کراچی.
٩٠. فتاوى عالمگیری، طبع: رشيدية کوئٹہ.
٩١. فتاوى قاضي خان طبع: رشيدية کوئٹہ.
٩٢. فتاوى محمودية، مفتي محمود حسن گنگوہي، طبع: جامعه فاروقية
کراچی.
٩٣. فتح الباري شرح صحيح البخاري، علامه ابن حجر، قديمی کراچی.
٩٤. فتح القدير شرح الهداية، تأليف: علامه ابن همام، طبع: رشيدية کوئٹہ.

٩٥. الفتوحات الربانية شرح الأذكار، علامة ابن علان، طبع: دارالفكر بيروت.
٩٦. فضائل سورة الإخلاص تأليف: علامة حسن الخلال (مكتبة الشاملة).
٩٧. الفقه الإسلامي وأدلته، وهبة الزحيلي، دارالفكر بيروت.
٩٨. القراءة عند القيور، تأليف: علامة أبوبكر خلال، دارالكتب العلمية بيروت.
٩٩. القول البديع في الصلاة على النبي الشفيع، للسخاوي، تحقيق محمد عوامه، دار اليسر بيروت.
١٠٠. الكاشف في معرفة من له رواية في الكتب الستة، للذهبي، تحقيق محمد عوامه، دار القبلة جدة.
١٠١. الكامل في شعفاء الرجال تأليف: إمام ابن عدى، دار الفكر بيروت.
١٠٢. كشف الخفاء ومزيل الإلباس عما اشتهر من الأحاديث على ألسنة الناس، تأليف: علامة صجلوني، مكتبة العلم الحديث بيروت.
١٠٣. كشف الستور عما أشكل من أحكام القبور، علامة محمود سعيد محمود، دارالفقيه.
١٠٤. كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون، تأليف: حاجي خليفة ملا كاتب چلبى، دار إحياء التراث بيروت.
١٠٥. كفايت المفتي تأليف: مفتي كفايت الله، طبع: دارالإشاعت كراچی.
١٠٦. لسان الميزان، علامة ابن حجر، تحقيق أبوغده، مكتب المطبوعات بيروت.

١٠٧. لسان الميزان، تأليف: علامة ابن حجر عسقلاني، تحقيق يوسف مرعشلى،
١٠٨. لسان الميزان، تأليف: علامة ابن حجر عسقلاني، مؤسسة الأعلى بيروت.
١٠٩. لمعات التقيق شرح مشكاة المصابيح، شيخ عبدالحق محدث دعلوى طبع: مكتبة سلفيه لاهور.
١١٠. المنطق والمقترق، للمخطيب، دار القادري بيروت.
١١١. مجمع الزوائد، علامة نورالدين هيثمى، طبع: دارالكتب العلمية بيروت.
١١٢. المجموع شرح المذهب، علامة نووى، دارالكتب العلمية بيروت.
١١٣. المداوى لعلل جامع الصغير وشرحه الشاوى، أحمد غبارى، بيروت.
١١٤. مرقى الفلاح شرح نورالإيضاح، علامة شربلانى، دارالقلم حلب.
١١٥. مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح تأليف: علامة ملا علي قارى حنفي، طبع: دار الكتب العلمية بيروت.
١١٦. مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح تأليف: علامة عبيدالله مباركپورى، جامعه سلفيه بنارس.
١١٧. مسائل الإمام أحمد بن حنبل تأليف: إمام أبو داود سجستانى،
١١٨. المستدرک للحاكم،
١١٩. مستد الإمام أحمد، دار الحديث القاهرة.
١٢٠. مشارق الأنوار على صحاح الآثار، للقاظي عياض، دار التراث القاهرة.

١٢١. مشکاة المصابيح تأليف: علامه تبریزی، تحقیق: علامه البانی، المكتبة الاسلامی بیروت.
١٢٢. مصنف ابن أبي شيبة، تحقیق: علامه محمد عوامه، إدارة القرآن کراچی.
١٢٣. معرفة السنن والآثار، للبيهقي، دار الكتب العلمية بیروت.
١٢٤. المعجم الكبير، تأليف: إمام طبرانی، طبع: دار الكتب العلمية بیروت.
١٢٥. المغني لابن قدامة، طبع: القاهرة.
١٢٦. المقنع في فقه إمام السنة أحمد بن حنبل، علامه بن قدامة حنبل.
١٢٧. من روى عن أبيه عن جده، قاسم بن قطلوبغا، تحقیق باسم فيصل الجوابرة، مكتبة الملا كويت.
١٢٨. میزان الاعتدال، تأليف: علامه ذهبي، دار المعرفة، بیروت.
١٢٩. الموسوعة الفقهية الكويتية، كويت.
١٣٠. الموضوعات، تأليف: علامه ابن الجوزي، المكتبة السلفية، مدينة منوره.
١٣١. نتائج الأفكار في تخریج أحاديث الأذکار، حافظ ابن حجر، تحقیق حدي عبد المجید السلفي، دار ابن کثیر دمشق.
١٣٢. نزول الأبرار بالعلم للأثر من الأدعية والأذکار، علامه نواب صدیق حسن خان.
١٣٣. نزهة النظر في توضیح نخبة العکبر، لابن حجر، تحقیق دکتور نور الدین عتر، مطبعة الصباح دمشق.
١٣٤. نصب الرأية في تخریج أحاديث الهداية، تأليف: علامه زیلعی، طبع قديمي.

١٣٥. نصوص ساقطة من طبعات أساء الثقات لابن شامير، الدكتور سعد الهاشمي، مكتبة الدار بالمدينة المنورة.
١٣٦. النكت البديعات على الموضوعات تأليف: علامه جلال الدين سيوطي، نور الإيضاح، تأليف: علامه شرنبلالي، طبع: دار القلم حلب.
١٣٨. نور الإيضاح، تأليف: علامه شرنبلالي، حاشيه مولانا إسماعيل علي، طبع: پشاور.
١٣٩. نور الصباح في ترك دفع اليدين بعد الافتتاح، تأليف: مولانا حافظ حبيب الله ڈيروبي، طبع: مكتبة قاسميه لاهور.
١٤٠. نيل الأوطار شرح متن الأخبار، علامه شوکانی، دار الجليل بیروت.

*

”آج کا میابی حاصل کرنا آسان ہے۔ اگر تم زندگی میں ترقی کرنا، آگے بڑھنا چاہتے ہو تو زیادہ محنت کرو۔ زیادہ محنت کرنے کا کوئی مقابلہ نہیں ہوتا۔ کیا تمہیں جتنے کام کا معاوضہ دیا جاتا ہے تم اس سے زیادہ کام کرنے کو تیار ہو؟ تم ایسے کتنے لوگوں کو جانتے ہو جو حاصل ہونے والے معاوضے سے زیادہ کام کرنے کو راضی ہوں؟ اس سوال کا جواب یہی ہو گا کہ بہت کم لوگ ایسے ہیں۔“

(تم جیت سکتے ہو ص ۹۹)۔

الْوَقْتُ أَنْفُسُ مَا غُنِيَتْ بِحِفْظِهِ
وَأَرَاهُ أَسْهَلَ مَا عَلَيْكَ يَضِيعُ

AF - 1634

ذِكْرُ أَجَائِلِ الْحَدِيثِ فِي الْقَدِيمِ وَالْحَدِيثِ

تَأَلَّفَ
الْإِمَامُ الْعَلَّامَةُ الْفَقِيه
الْشَيْخُ عَبْدِ الْحَقِّ الْمُحَمَّدِيُّ الدِّهْلَوِيُّ
(١٦٣٢/١٥٥١ - ١٠٥٢/١٠٩٥ هـ)

تَقْدِيمٌ وَتَحْقِيقٌ وَتَعْلِيلٌ
أَسَدُ الدِّينِ جَانِ النَّبَسَاوِي
مُتَصَرِّفٌ فِي مَسْئَلَةِ التَّحْقِيقِ وَالْحَقِيقِ
مَنْ بَصَلَ لَهَا طَرِيقًا لَمْ يَلَمْ يَسْأَلْ

مَكْتَبَةُ سَيِّدِ الْبَغْدَادِيِّينَ بِبَغْدَادٍ